باسمہ تعالیٰ

شمارہ نمبر ۴

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

ستمبر ۲۰۲۲ء

مجلّہ

پشاور

راہِ ہدایت

مدیر اعلیٰ

مولانا خیر الامین قاسمی حفظہ اللہ

ناشر

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور

واٹس ایپ نمبر: 03428970409

عقیدہ ختم نبوت زندہ باد | یا اللہ مدد | عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ باد
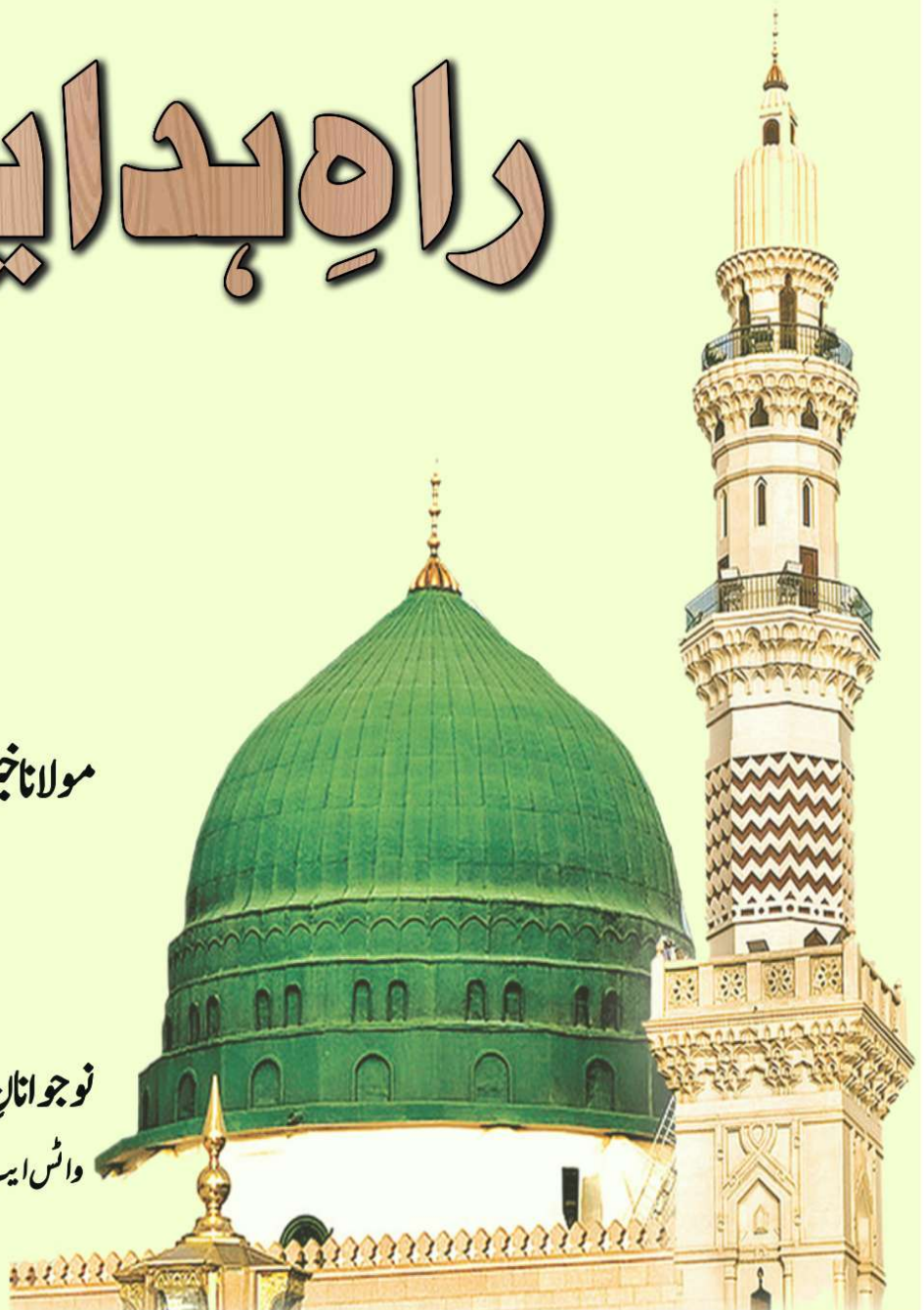
بفیضان

حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

سلطان المحققین مفکرِ اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

مجلہ راہِ ہدایت پشاور

بیاد

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ

قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ

ترجمانِ مسلک دیوبند حضرت مولانا نور محمد تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

مناظر اسلام حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیروی رحمۃ اللہ علیہ

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسماعیل محمدی رحمۃ اللہ علیہ

زیر سرپرستی

متکلم اسلام حضرت مولانا مفتی سجاد الحجابی دامت برکاتہم

مناظر اسلام مولانا محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی دامت برکاتہم

مناظر اسلام حضرت مولانا مفتی محمد ندیم محمودی مدظلہ العالی

محقق اہلسنت حضرت مولانا مفتی رب نواز حنفی حفظہ اللہ

مناظر اسلام حضرت مولانا مفتی نجیب اللہ عمر حفظہ اللہ

مجلسِ مشاورت

حضرت مفتی محمد وقاص رفیع صاحب

حضرت مولانا مفتی محمد طلحہ صاحب

حضرت مولانا ثناء اللہ صفدر صاحب

حضرت مولانا عبد الرحمٰن عابد صاحب

حضرت مولانا محمد محسن طارق صاحب

مدیر اعلیٰ

مولانا خیر الامین قاسمی صاحب

نائب مدیر

طاہر گل دیوبندی صاحب

شمار	فہرست مضامین	صفحہ
01	آسمان علم کا نیر تاباں غروب ہوگیا	01
02	سلام تمہیں طالبان	04
03	امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تابعیت محدثین کی نظر میں	06
04	فضائل اعمال کا عادلانہ دفاع جلد دوم (قسط: 1)	14
05	تنظیم فکر ولی اللہی کے کتب میں درج باطل نظریات	21
06	سجدوں کے رفع الیدین کا ثبوت رئیس محمد ندوی غیر مقلد کی زبانی (قسط: 1)	27
07	ناصبی کون؟	33
08	مفتی محمد شفیعؒ کی طرف منسوب تین طلاق کے ایک ہونے پر فتویٰ کی تحقیق	41
09	مفتی محمد حسین نیلوی صاحب کے عقائد و نظریات (قسط: 3)	45
10	محاسبہ دیوبندیت پر ایک نظر (قسط: 2)	49

مدیر اعلیٰ کے قلم سے

آسمان علم کا نیر تاباں غروب ہوگیا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

"الناس کابل مایۃ،لاتکاد تجد فیھا راحلۃ"
ترجمہ : لوگوں کی مثال ایک سو اونٹ جیسی ہے ، جن میں بڑی مشکل سے تم ایک ایسی اونٹنی پاؤگے جو سواری کے قابل ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث پاک میں بتانا چاہتے ہیں کہ انسانوں میں صاحب کمال بہت کم ہوتے ہیں ، اگرچہ انسانی شکل وصورت میں ملتے جلتے انسان بہت ہوں گے ، جس طرح سو اونٹ شکل وصورت اور قد و قامت میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں ، لیکن ان میں سے دوران سفر سواری کے کام آنے والا اونٹ جو سفر کی مشقت کو برداشت کرسکے مشکل سے ایک آدھ ہوتا ہے۔ یہی حال علماء کا بھی ہے، کہ ان میں بھی باکمال شخصیات چیدہ چیدہ ہوتی ہیں پھر یہی حال علم کے مختلف شعبوں کا ہے کہ ہر شعبہ میں باکمال لوگ بہت کم ہوتے ہیں گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو ترغیب دے رہے ہیں کہ ایسے باکمال انسانوں کی قدر کی جائے اور ان سے فایدہ اٹھایا جائے۔

انہی باکمال علماء میں سے جامع المعقول والمنقول شیخ القرآن والحدیث مناظر اسلام حضرت الشیخ رحیم اللہ حقانی شہید رحمہ اللہ تھے ۔جو پچھلے 11 اگست کو ہم سے جدا ہوگئے اور تمام امت مسلمہ کو عموماً اور احناف دیوبندی مکتبہ فکر کو سوگوار چھوڑ گئے حضرت رحمہ اللہ بم دھماکہ میں شہید ہوگئے اور بنص قرآنی شہید زندہ ہے بل احیاء ولکن لاتشعرون کے بشارت سے سرفراز ہوکر فانی حیات سے عروج کرکے ابدی حیات سے سرفراز ہوئے۔

حضرت الشیخ بیک وقت مدرس بھی تھے، مناظر بھی تھے، خطیب بھی تھے، مصنف بھی تھے اور عملاً مجاہد بھی تھے۔

حضرت الشیخ کے دورہ مشکوۃ میں اتنے طلباء ہوتے کہ برصغیر میں ایک کلاس اور جماعت کے اندر اتنے طلباء نہیں ہوتے۔حضرت کی دورہ موقوف علیہ میں طلباء کی تعداد 2500 ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ درسگاہ ایک جلسہ گاہ نظر آتی تھی۔ لیکن اس ظالم بدبخت انسان نے بم دھماکہ کرکے ایک حق گو عالم اور اتنے سارے علماء اور طلباء کے استاد کو شہید کردیا ۔ان ظالموں کو پتہ نہیں کہ ایک عالم تیار ہوتے ہوتے کتنے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور کتنی کھٹن مراحل

طے کرتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ جن کی صحیح بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب ر اللہ ہونے کا شرف حاصل ہے، ان کو ایام طالب علمی کے ایک سفر میں غریبی نے اتنا مجبور کیا کہ برابر تین دن انہوں نے جنگل کی بوٹیاں کھا کر گزارہ کیا۔ (مقدمہ فتح الباری)

فن حدیث کے عالی مرتبہ امام ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنا قصہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں زمانہ طالب علمی میں چودہ برس بصرے میں رہا ایک مرتبہ تنگ دستی کی یہ نوبت پہنچی کہ کپڑے تک بیچ کھائے ، جب کپڑے بھی نہ رہے تو دو دن بھوکا رہا آخر مجبورا ایک دوست کے سامنے اپنا حال ظاہر کیا ، خوش قسمتی سے اس کے پاس ایک اشرفی تھی آدھی اس نے مجھ کو دے دی۔ (تذکرۃ الحفاظ)

امام ابن جوزی رح مشہور محدث ہیں تین سال کی عمر میں یتیم ہوگئے تھے ، علمی استغراق کی حالت یہ تھی کہ جمعہ کی نماز کے علاوہ گھر سے دور نہیں جاتے تھے ایک مرتبہ منبر پر کہا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں۔ احادیث لکھتے وقت قلموں کی تراشے جمع کرتے جاتے تھے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے نہانے کا پانی اسی سے گرم کیاجائے۔ کہتے ہیں کہ پانی گرم کرنے کے بعد تراشے بچ گئے تھے۔

عاشقی شیوہ زندان بلاکش باشد۔

(ملخصاً خطبات حکیم الاسلام)

بہر حال یہ چند واقعات آپ کے سامنے کردیا کہ علم کے حصول کے لیے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہے لیکن اہل باطل کا کیا بس ایک وار کیا اور اپنے زعم باطل میں حق اور اہل حق کو ختم کیا لیکن

ایں خیال است ومحال است وجنون

اگر ہم تاریخ پہ نظر دوڑائیں تو ہمارے اسلاف و اکابر کی زندگیاں قربانیوں سے بھری پڑیں ہیں۔ اور اہل باطل نے زور لگایا کہ ان کو ختم کریں لیکن ان کو ختم کرتے کرتے خود مٹ گئے اور اہل حق اور ہمارے اسلاف کی زندگیاں اور عقائد ونظریات آج تک زندہ ہیں اور تاقیامت زندہ رہیں گے ان شاءاللہ۔

ہمارے مسلک کے بانی مبانی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا جنازہ جیل سے اٹھا ہے ، امام مالک رحمہ اللہ کو وقت کے حکمرانوں کی ہاں میں ہاں نہ ملانے کی وجہ سے انتہاء ستایا گیا ان کی ننگی پیٹھ پر انتہائی درندگی سے ستر کوڑے مارے گئے ۔آپ کے ہاتھ اس قدر کس کے باندھے گئے کہ شانے اتر گئے ، پھر اونٹ پر بٹھاکر ایک مجرم کی حیثیت سے شہر میں گشت کرایا گیا مگر قربان جاؤں! اے مہاجر مدینہ ! تیری جرأت واستقامت پر آپ اس حالت میں بھی حق کہنے سے باز نہ رہے آپ بلند آواز سے کہتے جاتے تھے

"من يعرفني فهو يعرفني ومن لايعرفني فاعرف انامالك بن انس"

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر خلق قرآن کے مسئلے میں مامون، معتصم اور واثق تین خلفاء کے عہد میں مصیبتوں کے پہاڑ توڑے گئے ۔آپ پر اتنی تیزی کے ساتھ کوڑے مارتے راوی کہتا ہے کہ اگر کسی ہاتھی کے پیٹھ پر مارے جاتے تو بلبلا اٹھتا۔ مگر امام صاحب کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ فتنہ اکبری کامقابلہ کرنے والا بھی مسجد کے ننگے فرش اور مدرسہ کے چٹائیوں پر بیٹھ کر کتاب وسنت کاعلم حاصل کرنے والا ایک خدا شناس مولوی تھا ، شیخ احمد

سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ۔ جنہوں نے گوالیار کے قلعہ میں قید ہونا گوارا کیا لیکن جبین نیاز کے تقدس کو دربار اکبری پر نہیں لٹایا ، خیر اسلاف کی قربانیوں کا یہ ایک لمبی داستان ہے انہی اسلاف واکابر کے دامن سے وابستہ شیخ رحیم اللہ حقانی شہید رحمہ اللہ بھی تھے مختلف مدارس میں علم دین کا حصول کر کے آخر میں جام شہادت نوش کیا ۔اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم ۔

حضرت رحمہ اللہ کا مختصر تعارف

نام و شجرہ نسب: شیخ رحیم اللہ بن عالم سعداللہ بن محمداجان بن الشیخ محمدبن عارف بااللہ الشیخ عبدالحمید آخندزادہ بن عارف باللہ الشیخ عبداللہ آخندزادہ خلیفہ غوث سوات عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ ۔

تاریخ ولادت: 1978ء 1399ھ بروز جمعۃ المبارک۔

جائے ولادت: افغانستان ننگرہار ولایت ڈاگام ولسوالی ۔

ابتدائی اسباق: دارلعلوم اسلامیہ رستم مردان کے پی کے ، دارلعلوم منہاج العلوم نریاب ھنگو ، فیض العلوم لوگر محمد آغہ ، دارلعلوم ھاشمیہ باڑہ خیبرایجنسی ، دارلعلوم فاروقیہ یارحسین صوابی ، دارلعلوم اسلامیہ دیر

موقوف علیہ: جامعہ نعمانیہ چارسدہ اتمانزئی عندالشیخ المحدثین الشیخ محمد ادریس صاحب حفظہ اللہ

دورہ تفسیر: جامع المعقول والمنقول استادالعلماء والمنطقین الشیخ حمداللہ جان المعروف ڈاگی باباجی رحمہ اللہ ۔

دورہ حدیث شریف: جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک ۔

تدریس: الجامعۃ الرازیہ ناصرباغ پشاور ، الجامعۃ الصدیقیہ ننگرہار ، الجامعۃ الاسلامیہ جلال آباد ، الاجامعۃ الاسلامیہ تالاب سفیدسنگ ، الجامعۃ الھاشمیہ باڑہ خیبرایجنسی ، الجامعۃ المحمدیہ ماشوخیل پشاور، الجامعۃ الاسلامیہ ہری پور ۔

نوٹ: ان تمام مدارس میں تمام فنون کی تدریس کی ہے۔

آخر میں دورہ موقوف علیہ جامعہ زبیریہ پشاور میں کرتے تھے ۔اسی سال جس میں حضرت کی شہادت کا عظیم حادثہ آنے والا تھا حضرت افغانستان چلے گئے اور جامعہ محمدیہ میں موقوف علیہ میں چند مہینے تدریس کر کے شہید ہوئے۔

فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

ویسے تو حضرت نے تمام فتن کے خلاف کام کیاہے لیکن رد مماتیت، رد بریلویت اور رد غیرمقلدیت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

تصنیفات: عقدالفراید شرح خیالی ، احسن الفراید شرح شرح العقاید ، الروض المکلل شرح المطول ، فریدۃ الغواص شرح سلم العلوم، احسن التوضیح پشتو شرح مشکوۃ المصابیح، سیفیت و بریلویت بمقابلہ حنفیت اور احقاق الحق پانچ جلدیں ۔جس میں مماتیت، بریلویت و لامذہبیت کا خوب کلاس لے لیا ہے۔

حضرت کے جانے پر وہی حدیث شریف سامنے ہے کہ قیامت کے قریب علم قبض ہوگا بقبض العلماء۔

اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیراً منھا۔

استاد المناظرین حضرت مولانا محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی حفظہ اللہ

سلام تمہیں طالبان

ڈاکٹر مارسیا کے ہر مینسن کیلی فورنیا کی سین ڈیگو یونیورسٹی فلسفہ کے شعبہ کی استاد تھی ۔ اصلا کنیڈا کی رہنے والی تھی ۔ انہوں نے سین ڈیگو یونیورسٹی میں فلسفہ کے موضوع پر ڈگری لی تھی ۔ قرآن کریم کا مطالعہ کیا مسلمان ہوگئی۔ مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات وفلسفہ کو اپنی ریسرچ کا موضوع بنایا اور "مغربی دنیا میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کا تعارف "کے عنوان پر سین ڈیگو یو نیورسٹی سے ہی ڈاکٹریٹ کیا۔ اسی سلسلہ میں انہیں پاکستان کے جلیل القدر مفسر ،شاہ ولی اللہؒ فلسفہ کے عظیم شارح حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی طرف بھی رجوع کرنا پڑا۔ وہ مسئلہ وحدت الوجود کو بالمشافہ سمجھنے کیلئے پاکستان کا سفر کرکے صوفی صاحب سے ملاقات کیلئے گوجرانوالہ پہنچ گئیں۔ یہاں پہنچ کر یہ بتانامناسب ہے کہ حضرت صوفی صاحب نے رئیس المفسرین مولانا حسین علی واں بھچروی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "فیوضات حسینی"پر جو مقدمہ لکھا ہے۔ وہ ایک شاہکار مقدمہ ہے۔ اس میں مسئلہ وحدت الوجود کی بے مثل تشریح کی ہے۔ بندہ نے مسئلہ وحدت الوجود پر جو رسالہ لکھا ہے اس میں اس سے کافی اقتباسات نقل کئے ہیں۔ صوفی صاحب کی کرامت ہے کہ علمی طور پر مجھے شرح صدر اس مشکل ترین مسئلہ پر ان کی تحریر سے ہوا۔ پھر سلسلہ مدنیہ کے دو عظیم مشائخ قطب العصر امین العلماء سید محمد امین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور رئیس الاولیاء حضرت مولانا حبیب الرحمن سومرو مدظلہم کی برکت سے اس مقام سے کشفی ووجدانی طور پر بھی مطلع ہوا۔

فللہ الحمد والشکر والملک

خیر اس مجلس میں حضرت صوفی صاحب نے محترمہ ڈاکٹر ایم کے ہر مینسن سے ایک دلچسپ سوال کیا جو اس طرح تھا کہ آپ پڑھی لکھی خاتون ہیں اور ہم مسلمانوں میں اس وقت ایسی کوئی بات نہیں کہ کوئی ہمیں دیکھ کر متاثر ہو اور مسلمان ہو جائے۔ آپ آخر کیسے مسلمان ہوئی ہیں؟ڈاکٹر ایم کے ہر مینسن نے جواب دیا کہ وہ کسی مسلمان کی دعوت یا کسی مسلمان کو دیکھ کر مسلمان نہیں ہوئیں بلکہ ان کے قبول اسلام کی وجہ قرآن کریم بنا ہے اور قرآن کریم کا مطالعہ کرکے وہ مسلمان ہوئی ہیں۔

اس کی تفصیل انہوں نے یوں بیان کی کہ سین ڈیگو یونیورسٹی میں فلسفہ میں ماسٹرز ڈگری کرنے کے بعد وہ ایک مرحلہ میں اسپین کی کسی یونیورسٹی میں کوئی کورس کررہی تھیں کہ ایک روز ہاسٹل میں صبح کے وقت ریڈیو کی سوئی گھماتے ہوئے ایک جگہ سے ایسی پر کشش آوازسنائی دی جس نے ان کی دلی توجہ حاصل کی ۔ اور انہیں کشش اور سکون محسوس ہونے لگا ،مگر یہ پتا نہ چلا کہ زبان کونسی ہے اور کلام کیا ہے؟ دو تین روز تلاش کرکے یہ آواز سنتی رہیں جس سے انہیں روحانی سکون ملتا تھا۔ پھر کوشش کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ مراکش ریڈیو ہے اور اس سے

مسلمانوں کی مقدس کتاب **"قرآن کریم "** کی تلاوت ہوتی ہے۔ چند روز سنتی رہیں، پھر قرآن کریم کا انگلش ترجمہ حاصل کرکے اس کا مطالعہ شروع کردیا ،مگر خیال ہوا اس کتاب کو اس کی اصل زبان میں اسٹڈی کرنا چاہیے چنانچہ انہوں نے عربی زبان کا باقاعدہ کورس کیا اور اس کے بعد قرآن کریم نے انہیں مسلمان بنادیا۔

قارئین یہ آج سے تقریبا چالیس سال قبل کی کہانی ہے اب آتے ہیں تصویر کے دوسرے رخ کی طرف!

ٹمونی ویکس امریکی پروفیسر طالبان کی قید میں آتا ہے ۔ امریکہ اس کو انس حقانی کے بدلے میں رہا کرواتا ہے ۔ یہ پروفیسر طالبان کے ایمان ،تقوی ،حسن اخلاق سے متاثر ہوکر مسلمان ہو جاتا ہے ۔ اب خبر یہ ہے ان دنوں پھر افغانستان آرہا ہے ۔ طالبان کی فتح کے یک سالہ جشن میں شرکت کیلئے۔ پگڑی والی تصاویر اس کی طالبان سے اسکی محبت کو نمایاں کررہی ہے۔

چالیس سال قبل ڈاکٹر اہم کے ہرمینسن کہتی ہے میں مسلمانوں سے متاثر نہیں ہوئی اور چالیس سال بعد ٹمونی ویکس طالبان سے متاثر ہوکر دامن مصطفی کو تھام لیتا ہے۔

سلام اے طالبان
سلام اے اسلام کے قابل فخر سپوت

واقعی تم ایسے ہو تمھیں دیکھ کر اسلام کی حقانیت کا یقین ہوتا ہے۔ دل میں مشعل اسلام روشن ہو جاتی ہے۔ قرون اولی کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔جب ہمارے آباء نے کہا تھا کُوْنُوْا مِثْلُنَا (ہمارے جیسے ہو جاؤ)۔

سلام سلام سلام

طالبان کا وجود امام مہدیؒ کے ظہور کی علامت ہے

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں " یہ بات بھی احادیث سے ثابت ہے کہ جب مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا تو اس وقت افغانستان میں مسلمانوں کی کافی قوت ہوگی یہ طالبان کی قوت اللہ تعالی نے ان کیلئے پیش خیمہ بنائی ہے اور یہاں سے لوگ ان کی امداد اور اعانت کے لئے جائیں گے ۔ (تفسیر ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن سورۃ کہف)

مولانا عصمت اللہ نظامانی حفظہ اللہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تابعیت محدثین کی نظر

امام ابو حنیفہؒ کی تابعیت سے متعلق کچھ ذکر کرنے سے پہلے دوباتوں کی وضاحت ضروری ہے۔
1۔۔ امام ابو حنیفہؒ کا سنِ ولادت کیا ہے؟
2۔۔تابعیت کا ثبوت کس طریقے سے ہوتا ہے؟
1۔۔ مشہور قول کے مطابق امام صاحبؒ کی ولادت سن 80 ہجری میں ہوئی، لیکن اس بارے میں دیگر اقوال بھی پائے جاتے ہیں، اور متعدد اہل علم نے اس مشہور کی قول کو مرجوح قرار دیا ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔
(الف):۔ علامہ ذواد بن علبہ نے امام صاحبؒ کا سنِ ولادت 61ھ بتلایا ہے (۱) ۔اسی طرح "سبط ابن الجوزی "(۲)، موفق مکی(۳) اور ابنِ خلکان وغیرہ نے بھی یہ قول ذکر کیا ہے۔(۴)
(ب):۔ بعض حضرات امام صاحبؒ کا سنِ ولادت 63ھ ذکر کیا ہے۔ (۵)
(ج):۔ علامہ سمعانی کےبقولِ امام صاحبؒ کی ولادت سن 70ھ میں ہوئی(۶)۔اور یہی قول علامہ زاہد کوثری نے بھی راجح قرار دیا ہے(۷)۔ نیز علامہ ابن سمانی (۸)اور ملا علی قاری نے بھی یہ قول ذکر کیا ہے۔ (۹)
(د):۔ اکثر مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے امام صاحبؒ کی ولادت سن 80ھ میں بتلائی ہے۔ اور یہی قول مشہور ہے۔ (۱۰)

2۔۔ اکثر محدثین کے نزدیک تابعیت کے ثبوت کے لیے صرف کسی صحابی کی زیارت اور ملاقات ہی کافی ہے، اس سے روایت لینا تابعی ہونے کے لیے ضروری نہیں۔ (۱۱)
نیز اگر کسی ضعیف روایت سے بھی کسی شخص کے صحابی کو دیکھنے اور اس سے ملاقات کاثبوت ہوجائے تو بھی وہ شخص تابعین میں شمار ہوگا۔تابعی ہونے کے لیے صحیح روایت سے اس کی صحابی سے ملاقات کا ثبوت ضروری نہیں، جیساکہ کسی شخص کی صحابیت ثابت کرنے کے لیے صحیح روایت کا ہونا ضروری نہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر نے "الاصابہ" میں بہت سے ایسے حضرات کو بھی صحابہ میں شمار کیا ہے جن کی صحابیت ضعیف روایت سے ثابت ہے۔ جیساکہ وہ فرماتے ہیں:

فالقسم الأول-فيمن وردت صحبته بطريق الرواية عنه،أوعن غيره،سواء كانت الطريق صحيحة، أوحسنة،أوضعيفة. (۱۲)
پہلی قسم ان حضرات کے بارے میں ہے جن کی صحابیت کسی روایت سے ثابت ہو، خواہ اس کی سند صحیح ہو، حسن ہو یا ضعیف۔

لہٰذا جب کسی شخص کی صحابیت ضعیف روایت سے ثابت ہو سکتی ہے تو تابعیت بطریقِ اولی ضعیف روایت سے ثابت ہونی چاہیے۔

ذیل میں ان صحابہ کرامؓ کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن سے حضرات محدثین اور ائمۂ فن کے بقول امام ابوحنیفہؒ کو شرفِ ملاقات حاصل ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملاقات:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور مشہور ومعروف صحابی ہیں، راجح قول کے مطابق ان کی وفات سن 93ھ کو ہوئی۔ (۱۳)

متعدد حضرات نے امام صاحبؒ کی ان سے ملاقات کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

النعمان بن ثابت أبو حنيفة التيمي، إمام أصحاب الرأي وفقيه أهل العراق، رأى أنس بن مالك. (۱۴)

علامہ ذہبی رقم طراز ہیں:

أبو حنيفة الإمام الأعظم ... مولده سنة ثمانين رأى أنس بن مالك غير مرة. (۱۵)

امام اعظم ابوحنیفہؒ ۔۔۔ ان کی ولات سن 80 ھ کو ہوئی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو متعدد بار دیکھا۔

علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں:

كان أبو حنيفة، رضي الله عنه، من سادات التابعين، رأى أنس بن مالك، ولا يشك فيه إلا جاهل وحاسد. (۱۶)

یعنی امام ابوحنیفہؒ حضرات تابعین کے سرداروں میں سے تھے، حضرت انس بن مالک کی زیارت کی، اور اس میں جاہل اور حاسد آدمی کے علاوہ اور کوئی شک نہیں کر سکتا۔

اسی طرح علامہ سمعانی نے الأنساب میں(۱۷)، علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں(۱۸) اور دیگر بہت سے حضرات نے امام ابوحنیفہؒ کی حضرت انس بن مالک سے ملاقات کی تصریح کی ہے۔

امام ابوحنیفہ ؒ کی حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے ملاقات:

امام ابوحنیفہؒ کی عبد اللہ بن انیس نامی صحابی سے ملاقات اور روایت ثابت ہے، [۲۷] لیکن چونکہ صحابہ کرام میں عبد اللہ بن انیس نامی پانچ افراد تھے، جیساکہ علامہ سیوطی فرماتے ہیں:
ان الصحابة المسمّين عبد الله بن أنيس خمسة. [۲۸]
اس لیے یہ بات یقینی طور پر معلوم نہ ہوسکی کہ امام صاحبؒ کی عبد اللہ بن انیس نامی کس صحابی سے ملاقات ہوئی۔ البتہ ملا علی قاری کے کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امام صاحبؒ نے جس عبداللہ بن انیس نامی صحابی سے روایت کی ہے، وہ انصاری صحابی ہیں، غزوۂ احد وغیرہ میں بھی شریک ہوئے تھے۔ [۲۹]
متعدد حضرات نے امام صاحبؒ کی حضرت عبداللہ بن انیس سے ملاقات کی تصریح کی ہے، جن میں مسعود بن شیبہ سندھی [۳۰]، صدر الائمہ مکی اور حافظ دیلمی وغیرہ شامل ہیں۔ [۳۱]

امام ابوحنیفہؒ کی حضرت عبد اللہ بن ابی حبیبہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات:

حضرت عبد اللہ بن ابی حبیبہ انصاری صحابی ہیں، صلحِ حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے۔ [۳۲] متعدد حضرات مثلاًعلامہ ابن عابدین شامی [۳۳] اور شیخ عبد الرشید نعمانی وغیرہ نے امام ابوحنیفہؒ کی حضرت عبد اللہ بن ابی حبیبہ صحابی سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ [۳۴]

امام ابوحنیفہ ؒ کی حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے ملاقات:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ میں سے ہیں، اور کچھ عرصہ حضورﷺ کی خدمت کرنے کا بھی ان کو شرف حاصل رہا ہے،ان کی تاریخِ وفات میں اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق ان کا انتقال سن 86ھ کو ہوا۔ [۳۵] اس حساب سےامام صاحبؒ کے سن ولادت سے متعلق مشہور قول اختیار کرنے کی صورت میں امام صاحب کی عمر اس وقت چھ (6) سال ہوئی، اور یہ عمر سماع کے لیے کافی ہے،کیونکہ اکثر محدثین کے نزدیک بچے کا پانچ سال کی عمر میں حدیث کا سماع وغیرہ درست ہوتا ہے۔جیساکہ مقدمہ ابن الصلاح میں ہے:

التحديد بخمس هو الذى استقرّ عليه عمل أهل الحديث المتأخرين. [۳۶]

متعدد حضرات جیسے مسعود بن شیبہ سندھی [۳۷]، علامہ بدر الدین عینی [۳۸] اور تقی الدین غزی وغیرہ نے امام صاحبؒ کی حضرت واثلہ بن اسقع سے ملاقات کا تذکرہ کیا ہے۔ [۳۹]

امام ابوحنیفہؒ کی حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے ملاقات:

امام ابوحنیفہؒ کی عبد اللہ بن انیس نامی صحابی سے ملاقات اور روایت ثابت ہے، (۲۷) لیکن چونکہ صحابہ کرام میں عبد اللہ بن انیس نامی پانچ افراد تھے، جیساکہ علامہ سیوطی فرماتے ہیں:
ان الصحابة المسمّين عبد الله بن أنيس خمسة. (۲۸)
اس لیے یہ بات یقینی طور پر معلوم نہ ہوسکی کہ امام صاحبؒ کی عبد اللہ بن انیس نامی کس صحابی سے ملاقات ہوئی۔
البتہ ملا علی قاری کے کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امام صاحبؒ نے جس عبداللہ بن انیس نامی صحابی سے روایت کی ہے، وہ انصاری صحابی ہیں، غزوۂ احد وغیرہ میں بھی شریک ہوئے تھے۔ (۲۹)
متعدد حضرات نے امام صاحبؒ کی حضرت عبداللہ بن انیس سے ملاقات کی تصریح کی ہے، جن میں مسعود بن شیبہ سندھی (۳۰)، صدر الائمہ مکی اور حافظ دیلمی وغیرہ شامل ہیں۔ (۳۱)

امام ابوحنیفہؒ کی حضرت عبد اللہ بن ابی حبیبہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات:

حضرت عبد اللہ بن ابی حبیبہ انصاری صحابی ہیں، صلحِ حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے۔ (۳۲) متعدد حضرات مثلاً علامہ ابن عابدین شامی (۳۳) اور شیخ عبد الرشید نعمانی وغیرہ نے امام ابوحنیفہؒ کی حضرت عبد اللہ بن ابی حبیبہ صحابی سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ (۳۴)

امام ابوحنیفہؒ کی حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے ملاقات:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ میں سے ہیں، اور کچھ عرصہ حضور ﷺ کی خدمت کرنے کا بھی ان کو شرف حاصل رہا ہے، ان کی تاریخِ وفات میں اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق ان کا انتقال سن 86ھ کو ہوا۔ (۳۵) اس حساب سے امام صاحبؒ کے سن ولادت سے متعلق مشہور قول اختیار کرنے کی صورت میں امام صاحب کی عمر اس وقت چھ (6) سال ہوئی، اور یہ عمر سماع کے لیے کافی ہے، کیونکہ اکثر محدثین کے نزدیک بچے کا پانچ سال کی عمر میں حدیث کا سماع وغیرہ درست ہوتا ہے۔ جیساکہ مقدمہ ابن الصلاح میں ہے:

التحديد بخمس هو الذي استقرّ عليه عمل أهل الحديث المتأخرين. (۳۶)

متعدد حضرات جیسے مسعود بن شیبہ سندھی (۳۷)، علامہ بدر الدین عینی (۳۸) اور تقی الدین غزی وغیرہ نے امام صاحبؒ کی حضرت واثلہ بن اسقع سے ملاقات کا تذکرہ کیا ہے۔ (۳۹)

امام ابو حنیفہؒ کی عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا سے ملاقات:

حضرت عائشہ بنت عجرد صِغار صحابیات میں سے ہیں، بعض حضرات نے انہیں تابعیات میں شمار کیا ہے،لیکن ابن معین (۴۰)، علامہ خوارزمی(۴۱)، اور شیخ عبد الرشید نعمانی وغیرہ نے انہیں صحابیہ قرار دیا ہے۔ (۴۲)مشہور محدث یحیی بن معین نے امام صاحبؒ کی ان سے ملاقات اور روایت لینے کی تصریح کی ہے۔ جیساکہ تاریخ ابن معین وغیرہ میں ہے:

حدثنا يحيى بن معين أن أبا حنيفة صاحب الرأي سمع عائشة بنت عجرد. (۴۳)

امام ابو حنیفہؒ کی حضرت معقل بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ سے ملاقات:

حضرت معقل بن یسار معروف صحابی ہیں، بیعتِ رضوان میں بھی شریک رہے ہیں۔ بعض حضرات نے امام صاحبؒ کی حضرت معقل بن یسار سے ملاقات کی تصریح کی ہے، جیساکہ ملا علی قاری فرماتے ہیں:

وذكر جماعة: أن الإمام لقي معقل بن يسار المزني، وهو ممن بايع تحت الشجرة. (۴۴)

ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ امام صاحبؒ نے حضرت معقل بن یسارمزنی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی ہے، اور وہ ان صحابہ میں سے ہیں جوبیعتِ رضوان میں شریک تھے۔

امام ابو حنیفہؒ کی حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے ملاقات:

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، پہلے ان کا نام "حزن" بمعنی غم تھا، حضورﷺ نے ان کا نام تبدیل فرماکر "سہل" رکھ دیا، ایک قول کے مطابق ان کا انتقال مدینہ منورہ میں سن 91ھ کو ہوا۔ (۴۵)
متعدد حضرات مثلاً: ابن حجر مکی(۴۶)، علامہ یافعی(۴۷) اور مسعود بن شیبہ سندھی وغیرہ نےامام صاحبؒ کی ان سے ملاقات کی تصریح کی ہے۔ (۴۸)

امام ابوحنیفہؒ کی حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات:

حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام میں سب سے آخرمیں وفات پانے والے صحابی ہیں، سن 110ھ میں ان کا انتقال ہوا (۴۹)۔ اس حساب سے امام ابوحنیفہؒ کی عمر اس وقت تیس (30) سال ہوئی۔ امام سرخسی(۵۰)، علامہ صیمری(۵۱)، اور علامہ یافعی وغیرہ نے امام صاحبؒ کی حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہ سے ملاقات کی تصریح کی ہے۔ (۵۲)

واضح رہے کہ اوپر ذکر کردہ دس صحابہ کرام کے علاوہ اور بھی متعدد حضرات صحابہ مثلاً: حضرت عمرو بن حریث ، سائب بن خلاد، سائب بن یزید بن سعید، عبد اللہ بن بسر، محمود بن ربیع، عبداللہ بن جعفر، ابوامامہ صدی بن عجلان رضی اللہ عنہم اجمعین سے امام ابوحنیفہؒ کی ملاقات اور سماع کی تصریح ایک جماعت نے کی ہے۔ (۵۳)

خلاصۂ کلام:

خلاصہ یہ کہ احادیث، تاریخ اور طبقات وتراجم کی کتب اور ائمہ محدثین کے کلام کی روشنی میں یہ بات واضح طور پر ثابت ہوجاتی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں، اور متعدد صحابہ سے ملاقات کا شرف ان کو حاصل ہے۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) تاريخ بغداد للخطيب، (15/144)، رقم الترجمة: 7249، الناشر: دار الغرب الإسلامي—بيروت، ط:1422ه-2002م

(۲) مرآة الزمان في تواريخ الأعيان لسبط ابن الجوزي، (12/211)، الناشر: دار الرسالة العالمية—دمشق، ط:1434ه-2013م

(۳) مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة للموفق، (1/5)، الناشر: مكتبة إسلامية—كوئته، ط:1407ه

(۴) وفيات الأعيان لابن خلكان، (5/413)، الناشر: دار صادر-بيروت

(۵) الجواهر المضيئة في طبقات الحنفية للقرشي، (1/27)، الناشر: مير محمد كتب خانه، كراتشي

(۶) الأنساب للسمعاني، (5/111)، مادة: الخزاز، رقم: 1383، الناشر: دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد- الهند، ط1382ه-1962م

(۷) تأنيب الخطيب للكوثري، (ص:44)، الناشر: دار الكتب، بشاور

(۸) روضة القضاة وطريق النجاة لابن السماني، (4/1497)، الناشر: مؤسسة الرسالة—بيروت، ط: 1404ه-1984م

(۹) شرح مسند أبي حنيفة لعلي القاري، (1/583)، دار الكتب العلمية—بيروت، ط: 1405ه-1985م

(۱۰) تهذيب الأسماء واللغات للنووي، (2/216)، رقم الترجمة: 771، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت/ والسعاية في كشف ما في شرح الوقاية للكنوي، (ص:57)، الناشر: مركز العلماء العالمي للدراسات وتقنية المعلومات

(۱۱) تدريب الراوي للسيوطي، (2/700)، الناشر: دار طيبة

(۱۲) الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر العسقلاني، (1/155)، الناشر: دار الكتب العلمية—بيروت، ط:1415ه

(۱۳) الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر العسقلاني، (1/277)/ والوافي بالوفيات للصفدي، (9/235)، الناشر: دار إحياء التراث—بيروت، 1420ه -2000م

(۱۴) تاريخ بغداد للخطيب، (15/444)، رقم الترجمة: 7249، الناشر: دار الغرب الإسلامي—بيروت، ط:1422ه-2002م

(۱۵) تذكرة الحفاظ للذهبي، (1/126)، رقم الترجمة: 136، الناشر: دار الكتب العلمية—بيروت، ط: 1319ھ-1998م

(۱۶) مغاني الأخيار في شرح أسامي رجال معاني الآثار للعيني، (3/122)، الناشر: دار الكتب العلمية—بيروت، ط: 1427ھ-2006م

(۱۷) الأنساب للسمعاني، (6/64)

(۱۸) البداية والنهاية لابن كثير، (10/114)، الناشر: دار إحياء التراث العربي—بيروت، ط: 1408ھ-1988م

(۱۹) الاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر، (3/870)، رقم الترجمة: 1478، الناشر: دار الجيل—بيروت، ط: 1412ھ-1992م/تهذيب الكمال للمزي، (14/319)، الناشر: مؤسسة الرسالة—بيروت، ط:1400ھ-1980م

(۲۰) أصول السرخسي، (1/314)، دار المعرفة، بيروت

(۲۱) أخبار أبي حنيفة وأصحابه للصيمري، (ص:18)، الناشر: عالم الكتب—بيروت، ط: 1405ھ-1985م

(۲۲) عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني، (10/128)، الناشر: دار إحياء التراث العربي-بيروت

(۲۳) معرفة الصحابة لأبي نعيم الأصبهاني، (3/1618)، الناشر: دار الوطن للنشر—الرياض، ط: 1419ھ-1998م

(۲۴) الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر، (4/41)، رقم الترجمة: 4616

(۲۵) جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر، (ص: 66)، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت

(۲۶) الاستغناء في معرفة المشهورين من حملة العلم بالكنى لابن عبد البر، (1/572)، الناشر: دار ابن تيمية—الرياض، ط:1405ھ-1985م

(۲۷) شرح مسند أبي حنيفة لعلي القاري، (1/583)،

(۲۸) تبييض الصحيفة للسيوطي، (ص: 37)، الناشر: دار الكتب العلمية—بيروت، ط:1410ھ-1990م

(۲۹) شرح مسند أبي حنيفة لعلي القاري، (1/583)

(۳۰) مقدمة كتاب التعليم للسندي، (ص: 21)، الناشر: لجنة إحياء الأدب السندي، حيدر آباد—باكستان، ط: 1384ھ-1965م

(۳۱) شرح مسند أبي حنيفة لعلي القاري، (1/583)

(۳۲) الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر، (4/47)، رقم الترجمة: 4639

(۳۳) ثبت ابن عابدين المسمى عقود اللآلي في الأسانيد العوالي، (ص:254)، الناشر: دار البشائر الإسلامية—بيروت، ط: 1431ھ-2010م

(۳۴) التعليق على مقدمة كتاب التعليم لعبد الرشيد النعماني، (ص:65)، الناشر: لجنة إحياء الأدب السندي، حيدر آباد

(۳۵) الاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر، (4/1563)، رقم الترجمة: 2738

(۳۶) علوم الحديث المعروف بمقدمة ابن الصلاح، (ص: 69)، النوع الرابع والعشرون، الناشر: دار ابن الجوزي—القاهرة، ط:1433ھ-2012م

(۳۷) مقدمة كتاب التعليم للسندي، (ص: 20)

(۳۸) مغاني الأخيار في شرح أسامي رجال معاني الآثار للعيني، (3/124)

(۳۹) الطبقات السنية في تراجم الحنفية للغزي، (4/160)، تحقيق: عبد الفتاح محمد الحلو، الناشر: دار الرفاعي

(۴۰) تجريد أسماء الصحابة للذهبي، (2/286)، الناشر: دار المعرفة، بيروت

(۴۱) جامع المسانيد للخوارزمي، (1/25)، الناشر: دار الكتب العلمية—بيروت

(۴۲) التعليق على مقدمة كتاب التعليم للشيخ عبد الرشيد النعماني، (ص:44)

(۴۳) تاريخ ابن معين – رواية الدوري، (3/480)، الناشر: مركز البحث العلمي—مكة المكرمة، ط: 1399ھ/ولسان الميزان لابن حجر، (4/385)، دار البشائر الإسلامية، ط: 2002م

(۴۴) شرح مسند أبي حنيفة لعلي القاري، (1/592)

(۴۵) الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر، (3/167)، رقم الترجمة: 3546

(۴۶) شرح مسند أبي حنيفة لعلي القاري، (1/581)

(۴۷) مرآة الجنان وعبرة اليقظان لليافعي، (1/242)، الناشر: دار الكتب العلمية—بيروت، ط: 1417ھ-1997م

(۴۸) مقدمة كتاب التعليم للسندي، (ص:20)

(۴۹) معرفة الصحابة لأبي نعيم الأصبهاني، (5/2943)

(۵۰) أصول السرخسي، (1/314)

(۵۱) أخبار أبي حنيفة وأصحابه للصيمري، (ص:18)

(۵۲) مرآة الجنان وعبرة اليقظان لليافعي، (1/242)

(۵۳) الخيرات الحسان لابن حجر الهيتمي، (ص: -64-67)، الناشر: دار الهدى والرشاد—دمشق، ط: 1428ھ-2007م

مفتی رب نواز حفظہ اللہ، مدیر اعلیٰ مجلّہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ قسط:1

فضائل اعمال کا عادلانہ دفاع

﴿جلد نمبر 2﴾

تبلیغی جماعت عقائد و افکار نظریات اور مقاصد کے آئینے میں درج اعتراضات کا جائزہ

اس کتاب کے سرورق پہ "از افادات مولانا عطاء اللہ ڈیروی ... از قلم ابو الوفا محمد طارق خان" لکھا ہوا ہے۔ کتاب کے شروع میں مقدمہ عطاء اللہ ڈیروی کا لکھا ہوا ہے ۔اس میں انہوں نے لکھا ہے :

"ہمارے فاضل نوجوان جناب ابو الوفاء محمد طارق عادل خان نے ان چند اوراق میں نہایت عرق ریزی اور رات دن ایک کرکے تبلیغی جماعت کی اپنی کتابوں سے وہ مواد جمع کر دیا ہے جو عقل و بصیرت رکھنے والوں کو صحیح راہ دکھانے کے لیے کافی ہے ، اس مختصر مگر جامع رسالے میں مولف حفظہ اللہ نے جماعت تبلیغی کے اصل مقصد و منہج کو دنیا کے سامنے رکھ دیا ہے"(تبلیغی جماعت عقائد و افکار نظریات اور مقاصد کے آئینے میں صفحہ ۳۳)

حاصل یہ کہ سرورق پہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ ڈیروی صاحب کے افادات ہیں۔ جب کہ ڈیروی صاحب مقدمہ کتاب میں اسے طارق صاحب کی تالیف اور محنت و کاوش کہہ رہے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۳۱:ذِکر کا معنی "حفظ"کرنا قرآن کی تحریف ہے۔

جناب محمد طارق خان غیر مقلد "تبلیغی نصاب اور تحریف قرآن" کا عنوان قائم کرکے لکھتے ہیں:

"قرآن کے حفظ ہو جانے کو قرآن کی ایک آیت سے استدلال کرتے ہوئے زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں: "حق تعالیٰ شانہ نے اس کے یاد ہو جانے کو سورۃ القمر میں بطور احسان کے ذکر فرمایا اور بار بار اس پر تنبیہ فرمائی﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾ کہ ہم نے کلام پاک کو حفظ کرنے کے لئے سہل کر رکھا ہے۔ کوئی ہے حفظ کرنے والا۔ (فضائل قرآن ص ۶۲) حالاں کہ مفسرین میں سے کسی نے بھی کبھی اس آیت کا یہ ترجمہ نہیں کیا ہے۔" (تبلیغی جماعت عقائد و افکار نظریات اور مقاصد کے آئینے میں صفحہ۴۸)

الجواب:

ذکر کا ایک ترجمہ "حفظ" بھی ہے جیسا کہ مفسرین نے صراحت کی ہے اور کئی غیر مقلدین نے بھی یہی معنی کیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے :

"ہم نے قرآن کریم کے الفاظ اور معانی کو ہر شخص کے لئے آسان کر دیا جو اس سے نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ رکھے۔ جیسے فرمایا... ﴿فانما یسرناہ بلسانك الخ﴾ یعنی ہم نے اسے تیری زبان پر اس لیے آسان کیا ہے کہ تو پرہیز گارلوگوں کو خوشی سنا دے اور جھگڑالو لوگوں کو ڈرائے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس کی قراء ت اور تلاوت اللہ تعالیٰ نے آسان کردی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ اس میں آسانی نہ رکھ دیتا تو مخلوق کی طاقت نہ تھی کہ اللہ عز وجل کے کلام کو پڑھ [یہاں لفظ "پڑھ " ہے اور پڑھنا زبان سے ہوتا ہے.ناقل] سکے۔ میں کہتا ہوں انہی آسانیوں میں سے ایک آسانی وہ ہے جو پہلے گزر چکی کہ یہ قرآن سات قراءتوں پر نازل کیا گیا ہے۔ "(تفسیر ابن کثیر مترجم : ۵ , ۱۷۵ ، ۱۷۶ .. مترجم مولانا محمد جونا گڑھی ، تخریج کامران طاہر، تحقیق و نظر ثانی حافظ زبیر علی زئی ، طبع مکتبہ اسلامیہ)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اخرج آدم بن ابی ایاس، وعبد بن حمید، وابن جریر، وابن المنذر، والبیہقی فی "الاسماء والصفات" عن مجاهد ولقد یسرنا القرآن للذکر قال هوّنا قرأته واخرج ابن ابی حاتم وابن مردویة والبیقهی عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ ﴿ولقد یسرنا القرآن للذکر﴾ قال لولا ان الله یسره علی لسان الآدمیین ما استطاع احد من الخلق ان یتکلم بکلام الله واخرج الدیلمی عن انس مرفوعا مثله" (الدر المنثور ۱۴ ,۷۷، تحقیق الدکتور عبد الله بن عبد المحسن الترکی، مرکز هجر للبحوث والدراسات العربیة والاسلامیة)

ترجمہ :آدم بن ابی ایاس، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذراور بیہقی نے " الاسماء والصفات " میں نکالا ۔مجاہد سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا ﴿ولقد یسرنا القرآن للذکر﴾ کا معنی ہے کہ ہم نے اس کی قراء ت کو آسان کر دیا ۔ابن ابی حاتم ، ابن مردویہ اور بیہقی نے نکالا ۔ابن عباس سے ﴿ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر﴾ کے بارے میں مروی ہے فرمایا: اگراللہ اسے آدمیوں کی زبان پر آسان نہ کرتا تو مخلوق میں سے کسی کی طاقت نہ ہوتی کہ وہ اللہ کے کلام کے ساتھ بات کر سکے ۔ دیلمی نے بروایت انس مرفوعاً (حدیث نبوی) اسی کے مثل نکالا۔

تفسیر قرطبیؒ میں ہے:

"ای سھلناہ للحفظ۔"(تفسیر قرطبی:۱۷ ,۱۳۴)
ترجمہ :ہم نے اس کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا۔

شیخ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"سھلناہ للذکر ای للحفظ والقراءۃ۔"(زاد المیسیر :۸ ,۹۴)
ترجمہ : ہم نے اسے آسان کر دیا ہے ذکر کے لیے یعنی حفظ و قراء ت کے لیے۔

تفسیر جلالین میں ہے:

"سھلناہ للحفظ اوھیأنا للتذکر" (جلالین:۲ ,۱۴۴سورہ قمر،آیت:۱۷)
ترجمہ : ہم نے اس کو آسان کر دیا ہے حفظ کے لیے ، یا مہیا کر رکھا ہے نصیحت حاصل کرنے کے لیے۔

ان کے علاوہ بھی دیگر کئی عربی تفاسیر میں ذکر کا معنی حفظ مذکور ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کے فتاویٰ کا مجموعہ "آپ کے مسائل اور ان کا حل :۸ ,۲۰۹تخریج شدہ ایڈیشن" دیکھئے۔
ڈاکٹر یحیٰ بن عبد الرزاق غوثانی نے امام قرطبیؒ رحمہ اللہ سے آیت کا معنٰی "ہم نے قرآن کو حفظ کے لیے آسان بنا دیا ہے" نقل کیا۔(حفظ قرآن کے ۲۵ آسان طریقے صفحہ ۳۷)
اب ذرا غیر مقلدین کے حوالے ملاحظہ ہوں۔
غیر مقلدین کی طرف سے شائع کردہ "اشرف الحواشی , فوائد سلفیہ" میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح ہے:

"ہم نے تو قرآن کو سمجھنے (یا یاد کرنے) کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔" (فوائد سلفیہ صفحہ ۶۳۱)
نوٹ: قوسین کے الفاظ "یا یاد کرنے" بھی فوائد سلفیہ کے ہیں۔

حاشیہ میں لکھا ہے:

" اس کا آسان کرنا یہ بھی ہے کہ یہ سہولت سے حفظ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں قرآن کے علاوہ کوئی ایسی کتاب نہیں پائی گئی جس کے ہزاروں لاکھوں حافظ ہر زمانہ میں پائے گئے

ہوں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں : اگر اللہ تعالیٰ قرآن کو آسان نہ کرتا تو کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کے کلام کو اپنی زبان سے ادا نہ کر سکتا (شوکانی)" (فوائد سلفیہ صفحہ ۶۳۱ ہدیہ منجانب بلال گروپ آف انڈسٹریز لاہور کراچی)

اس کے سرورق پہ درج ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے :

"وقف فی سبیل اللہ ... اشرف الحواشی یعنی تفسیر بالحدیث کا عمدہ نمونہ "

مولانا عبد السلام بھٹوی غیر مقلد﴿یسرنا القرآن للذکر الخ﴾کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس کے الفاظ آسان ہیں، معنیٰ بھی آسان ہیں، نہ پڑھنے میں دقت ہے، نہ سمجھنے میں... اس میں قرآن مجید پڑھنے، پڑھانے، سمجھنے سمجھانے اور اس سے نصیحت حاصل کرنے کی ترغیب ہے۔" (تفسیر القرآن الکریم :۴/۵۱۸)

بھٹوی صاحب نے آگے لکھا:

" قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسان کئے جانے کا ایک کرشمہ اور معجزہ یہ ہے کہ یہ سہولت کے ساتھ حفظ ہو جاتا ہے۔ دنیا میں کوئی کتاب نہیں جس کے ہزاروں لاکھوں حافظ ہر زمانے میں پائے گئےہوں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا غیبی تصرف ہے کہ اس نے اپنی کتاب کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کے دلوں میں اس کے حفظ کا شوق رکھ دیا ہے، گناہ گار سے گناہ گار مسلمان کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بچہ قرآن کا حافظ بنے۔ کیمونسٹوں نے اپنے زیر تسلط ملکوں میں قرآن کو مٹانے کی کوشش جتنی کر سکتے تھے کی، مگر مسلمانوں نے اپنے گھروں کے تہہ خانوں میں کمیونسٹ جاسوسوں سے چھپ کر حفظ قرآن کا سلسلہ جاری رکھا ، جس کی برکت یہ ہوئی کہ کمیونسٹ قرآن کو مٹانے میں بری طرح ناکام ہوئے۔ اس وقت بھی دنیامیں قرآن کے حافظ لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ والحمد للہ" (تفسیر القرآن الکریم :۴/۵۱۸تحت سورہ قمر ،آیت: ۲۲)

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد(سورۃ القمر ...آیت: ۱۷) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" اسی وجہ سے اس کو حفظ کرنا آسان ہے اور ہر چھوٹا بڑا ، عربی عجمی ، اسے تھوڑی سی محنت سے حفظ کر لیتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کے حافظ ہر دَور میں لاکھوں کی تعداد میں رہے ہیں۔" (تیسیر القرآن صفحہ ۳۷۷ ، مکتبہ دار السلام لاہور)

پروفیسر قاضی مقبول احمد غیر مقلد نے لکھا:

" ارشاد باری تعالیٰ ہے :﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ہم نے قرآن کو ذکر کے لیے آسان بنا دیا ہے ۔ ذکر میں یاد کرنا، اس کا فہم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا تینوں امور شامل ہیں۔"
(اسلام اور جہاد صفحہ ۳۴)

شیخ صلاح الدین یوسف غیر مقلد نے لکھا:

" یعنی اس کے مطالب و معانی خو د سمجھنا اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرنا اور اسے زبانی یاد کرنا ہم نے آسان کر دیا ہے... یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جو لفظ بہ لفظ یاد کر لی جاتی ہے ورنہ چھوٹی سی چھوٹی کتاب کو بھی اس طرح یاد کرنا لینا اور اسے یاد رکھنا نہایت مشکل ہے۔" (تفسیری فوائد صفحہ ۱۵۰۳ تحت سورۃ قمر ،آیت : ۱۷)

ابو نعمان سیف اللہ خالد غیر مقلد نے سورہ قمر ، آیت: ۱۷﴿ولقد یسرنا القرآن للذ کر فھل من مد کر﴾ کی تفسیر میں لکھا:

"اللہ تعالی نے خبر دی ہے کہ اس نے قرآن کریم کا حفظ کرنا اور اس سے عبرت ونصیحت حاصل کرنا آسان بنادیا ہے۔ قرآن کریم کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ وہ آسانی سے یاد ہو جاتا ہے" (قرآنی آیات اور صحیح احادیث پر مشتمل تفسیر دعوۃ القرآن :۵,۲۷۶، ناشر دار الاندلس لاہور)

تفسیر سعدی میں لکھا ہے :

"ہم نے اس قرآن کے الفاظ کو یاد کرنے، ان کو ادا کرنے اور اس کے معانی کوعلم و فہم کی خاطر نہایت آسان اور سہل بنایا ہے۔" (تفسیر سعدی صفحہ ۲۶۶۰ مؤلفہ عبد الرحمن بن ناصر السعدیؒ طبع دار السلام)

آگے لکھا :

" قرآن کریم کا علم حفظ اور تفسیر کے اعتبار سے بہت آسان اور علی الاطلاق جلیل علم ہے۔"

(حوالہ مذکورہ)

غیر مقلدین کے مسلم پیشوا قاضی شوکانی {ولقد یسرنا القرآن للذ کر} کی تفسیر لکھتے ہیں:

"ای سھلناہ للحفظ واعنا علیہ من ارادحفظہ وقیل للتذکر والاتعاذ۔۔۔وفی الایۃ الحث علی درس القرآن والاستکثار من تلاوتہ"(تفسیر فتح القدیر 123/5)

یعنی ہم نے اسے حفظ کرنے کے لیے آسان کردیا ہے ۔اور ہم نے اس (حفظ کرنے) پہ اس شخص کی اعانت کی ھے جس نے اس کے حفظ کا ارادہ کیا۔اور کہا گیا ہے کہ نصیحت اور وعظ حاصل کرنے کے لیے آسان کیا ہے۔۔۔۔اس آیت میں قرآن پڑھنے اور اس کی کثرت سے تلاوت کرنے پہ ابھارنا ہے۔

شوکانی نے حفظ والی تفسیر کو اختیار کرکے دوسری کو قیل سے بیان کیا۔نیز وہ فرماتے ہیں اس میں کثرت سے تلاوت کرنے کی ترغیب ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ:۔ غیر مقلدین اور تحریف قرآن

اب تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرماتے چلیں۔
مولانا ثناء اللہ امرتسری غیرمقلد نے حافظ عبد اللہ روپڑی غیرمقلد کے قرآنی معارف نقل کرکے لکھا:

"ناظرین خصوصا علمائے محدثین! ان معارف کو ملاحظہ کرکے امور ذیل کی بابت اطلاع دیں کہ (۱) کیا یہ معارف قرآن ہیں یا کوک شاستر؟ (۲) یہ معارف آیت موصوفہ سے مستنبط ہو سکتے ہیں؟ (۳) سلف صالحین میں سے کسی چھوٹے بڑے مفسر نے ان معارف کو استنباط کیا ہے ؟" (مظالم روپڑی صفحہ ۵۵)

مولانا محمد حسین بٹالوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

" آج کل ایک تفسیر عربی مولوی ثناء اللہ کشمیری الاصل امرتسری الوطن میری نظر سے گزری۔ تفسیر کیا ہے ایک اغلاط کا مجموعہ ، تاویلات کا ذخیرہ دیکھا ۔ تعجب ہے یونیورسٹی کے فاضل کی فضیلت اور لیاقت پر کہ الفاظ غلط، معانی غلط، استدلالات غلط، بلکہ تحریفات میں یہودیوں کی بھی ناک کاٹ ڈالی." (الاربعین صفحہ ۳مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

علامہ عبد الرشید عراقی غیر مقلد نے مولانا عبد العزیز رحیم آبادی غیرمقلد کے حالات میں لکھا ہے :

"اس مناظرہ میں آپ نے آیت کریمہ ﴿فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون﴾ کی جو تفسیر بیان کی، اہلِ علم[عراقی کی مراد غیر مقلدین ہیں۔(ناقل)] نے اس کو بہت پسند کیا۔حضرت شیخ الکل میاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد العزیز نے اس آیت کی ایسی تفسیر کی ہے جو متقدمین میں سے کسی نے

نہیں کی اور امام رازی وغیرہ کو بھی نہیں سوجھی۔"(چالیس علمائے اہلِ حدیث صفحہ ۹۱،طبع نعمانی کتب خانہ لاہور)

﴿یسرنا القرآن للذکر﴾ کی تفسیر میں "لفظ کو آسان کرنا" مفسرین لکھتے چلے آئے ہیں اور خود متعدد غیر مقلدین نے اس کے عموم میں حفظ کرنے کو بھی شامل تسلیم کیا۔ پھر بھی طارق صاحب اس کو تحریف کہتے ہیں مگر مولانا عبد العزیز رحیم آبادی غیر مقلد نے قرآنی آیت:﴿فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون﴾ کی ایسی تفسیر بیان کی جو متقدمین میں سے کسی نے نہیں کی تو ان پر کیا حکم لگائیں گے؟

مولانا عطاء اللہ ڈیروی کو معلوم تھا کہ غیر مقلدین میں بہت سی قابل اعتراض باتیں ہیں جن کا جواب ان کے بس میں نہیں۔ اس لیے بزعم خود جان چھڑانے کے لیے لکھ دیا:

"ہم غیر مقلد ہونے کی وجہ سے اپنے یا کسی دوسرے عالم کے کسی غلط فتویٰ کے ہر گز پابند نہیں ہیں"
(مقدمہ تبلیغی جماعت عقائد و افکار نظریات اور مقاصد کے آئینے میں صفحہ ۱۷)

ڈیروی صاحب! یادر رہے کہ غیر مقلدین کی عبارتیں ہم آپ لوگوں کے خلاف اس لیے نہیں پیش کر رہے کہ ضرور ہی آپ انہیں مانیں بلکہ فتویٰ لگوانے کے لیے انہیں نقل کیا ہے کہ اگر آیت کا ترجمہ "حفظ کرنا" تحریف ہے تو ان غیر مقلدین کو محرف قرآن کہیں جنہوں نے اس کے ترجمہ میں حفظ کرنا بھی مانا ہے۔ مزید یہ کہ اگر کسی آیت کی ایسی تفسیر کی جائے جو پچھلے مفسرین سے منقول نہ ہو یہ بھی بقول آپ کے تحریف ہے تو مولانا عبد العزیز رحیم آبادی کے متعلق تحریف کرنے کا اقرار کریں۔

دیکھیں! پھر دیکھیں! کیا میں نے یہ کہا ہے کہ آپ اپنے غیر مقلدین کی باتوں کو مانو؟ نہیں کہا ناں؟ لہٰذا رٹا رٹایا پرانا جواب کہ" ہم اپنے علماء کی بھی نہیں مانتے" سے اب کام نہیں چلے گا۔آپ اپنوں کی مانیں یا نہ مانیں،یہ آپ کی مرضی ہے مگر فتویٰ تو لگا سکتے ہیں۔ہم آپ سے انصاف کرنے کا مطالبہ تو کر سکتے ہیں کہ جو فتویٰ مصنف فضائل اعمال پر لگایا وہی بات غیر مقلدین بھی لکھے ہوئے ہیں اس لیے وہ فتویٰ اپنوں پر بھی لگائیں۔

(جاری)

مولانا ثناءاللہ صفدر حفظہ اللہ
قسط: 3

"تنظیم فکرولی اللہی" کے کتب میں درج باطل نظریات

قبل اس کے کہ ہم اُن فاسد نظریات کو ذکر کریں جو "تنظیم فکر ولی اللہی" کی کتب میں لکھے ہوئے ہیں ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ کہ باوجود اسکے کہ حضرت سندھی رحمہ اللہ کے شاذ افکار اور تفردات موجود ہیں ہمارے اکابر میں سے تھے۔ حضرت کی مسلم، اور اتفاقی خدمات اپنی جگہ بجا،لیکن یہاں جو نظریات ہم ذکر کرینگے اس سے ہمارا مقصد معاذاللہ حضرت سندھی صاحب رحمہ اللہ کی تردید وتوہین نہیں۔حدیث کا تقاضا بھی یہی ہے،ابن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے۔

عن ابن عمر، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اذکروا محاسن موتاکم و کفوا عن مساویھم "(ترمذی)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم اپنے مردوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیاں بیان کرنے سے باز رہو۔

بلکہ یہاں "تنظیم فکر ولی اللہی"کے ان باطل افکار کی تردید مقصود ہیں جس کی یہ حضرات انتہائی مہارت کے ساتھ اپنی نجی محافل میں پرچار کرتے ہیں اور جس کو انہوں نے اپنی کتب میں درج کئے ہیں(اگرچہ ان میں بہت سارے نظریات کی نسبت حضرت سندھی صاحب کی طرف منسوب کتب میں ان کے اپنے تلامذہ نے حضرت سندھی صاحب رحمہ اللہ کی طرف ہی کی ہیں)۔

بڑے حضرات میں سے بعض شخصیات کی کچھ آراء وافکار منفرد اور شاذ قسم کے ہوتے ہیں لیکن یہ انہی شخصیت تک ہی محدود رہتے ہیں حضرت سندھی صاحب کی بعض افکار بھی اسی قبیل سے تھے اب اُن کی شاذ افکار کو اپنا کر ان پر جماعت کی بنیاد رکھنا اجماعی اصول کو توڑنے کے مترادف ہے۔

یقین کیجئے فکری حضرات اکثر تقیہ سے کام لیتے ہیں،ایک فاسد نظریہ کو اپنی ایک کتاب میں نہیں بلکہ کئی کتب کے اندر لکھتے ہیں اور اس نظریے کی پرچار بھی کرتے ہیں لیکن جب آپ اُن کی اِن نظریات سے عوام الناس کو آگاہ کرینگے تب کہتے ہیں کہ جی یہ سب ہمارے اوپر الزام اور جھوٹ ہے ہمارا نظریہ تو بالکل دیوبند جیسا ہے۔اب اِن اللہ کے بندوں سے پوچھا جائے کہ اِن نظریات کو بار بار اپنی کتب میں شائع کیوں کرتے ہو ،انکے پرچار میں آخر حکمت کیا ہے ؟اگر واقعی یہ نظریات تمہارے نزدیک بھی غلط ہیں تو انکی تردید کیوں نہیں کرتے ہو کہ جن فکری حضرات نے مذکورہ نظریات اپنی کتب اور رسائل میں لکھے ہیں وہ بدعقیدہ ہیں. یہ عقائد ونظریات ہمارے نہیں اور جن مؤلفین نے بھی لکھے ہیں اُن مؤلفین کے اِن نظریات سے ہم صدق دل سے برات کا اعلان کرتے ہیں۔مزید یہ کہ

تنظیم کی جانب سے اعلان کیا جائے کہ ہماری جانب سے شائع کردہ فلان فلان کتاب میں یہ یہ نظریات غلط ہیں لہذا ان کو نہ پڑھاجائے تاکہ سادہ لوح عوام ان افکار ونظریات کے شکار نہ ہوسکے۔لیکن اعلان تو کجا بلکہ اہتمام کے ساتھ متنازعہ نظریات والی کتب بار بار ان کی جانب سے شائع ہوکر لوگوں کو ان کے پڑھنے کی ترغیب دی جارہی ہیں۔

فکری حضرات کی کتب میں اللہ تعالیٰ کے متعلق نظریہ

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اور پھر آپ علیہ السلام سے لیکر آج تک تمام مسلمانوں کے ہاں ذات باری تعالیٰ کے متعلق ایک ہی عقیدہ، نظریہ اور تصور قائم آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق ہے، قدیم ذات ہے، جس کی نہ ابتداء ہے اور نہ ہی انتہاء، اجزائے جسم عوارض اور حوادث زمانہ سے پاک و منزہ ہے۔لیکن تنظیم فکر ولی اللہی کی کتب میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں چودہ سو سالہ امت کا تصور غلط اور"داستان تراشیدہ"بتلایا گیا ہے بلکہ اس تنظیم کا خیال ہے کہ زمانہ اور عقلی ترقی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ہاں خدا تعالیٰ کا تصور بدلتا رہاہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا کا اصل تصور دفن ہوکر رہ گیا تھا،یوں ہم تک پہنچنے والا تصور خدا تعالیٰ کا حقیقی تصور نہیں بلکہ یہ زمانہ اور سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ بدلتے ہوئے بالآخر ہم تک پہنچا۔ چنانچہ انکی ایک کتاب بنام"افادات و ملفوظات"میں لکھا ہے کہ:

> مذہب اسلام کا بنیادی اور مقدم ترین عقیدہ ایک خدا کو مانناہے، لیکن تاریخ گواہ ہے کہ زمانے اور عقلی ترقی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ہاں خدا کا تصور بھی بدلتا رہاہے۔(افادات وملفوظات صفحہ 278،سندھ ساگر اکادمی)

گویا فکریوں کے نزدیک ذات باری تعالیٰ کے متعلق معروف اسلامی تصور یہ ایک ٹھوس اور حقیقی تصور نہیں بلکہ ایک نفسیاتی عارضہ ہے جو زمانہ اور عقلی ارتقاء کے ساتھ ساتھ اپنی جگہ بدلتا رہتا ہے،معاذاللہ۔
بلکہ ایک جگہ تو ذات باری تعالیٰ کے متعلق رائج الوقت معروف تعبیر کو مسلمانوں کی بربادی سمجھتے ہوئے پروفیسر سرورصاحب صاحب لکھتے ہیں کہ:

> خدا کا تصور اسلام کے ابتدائی دنوں میں عمل خیر کا کتنا بڑا محرک تھااور آج اس تصور سے مسلمانوں کی کتنی بری حالت ہے۔ (افادات وملفوظات صفحہ 292)

یعنی فکریوں کے نزدیک خدا کا تصور نہ صرف یہ کہ آج کے جدید دور میں منطق نہیں ہو رہا ہے بلکہ مسلمانوں کی تباہی بھی خدا کے اس تصور سے ہے۔
اسی طرح فکریوں کی مشہور ترین کتاب "شعور و آگہی" جو جماعت کے مرکزی زمہ داروں نے مل کر تصنیف کی ہے،یہ کتاب فکریوں کے تربیتی نظام میں اعلیٰ کلاس (رکنیت) کے نصاب میں داخل ہے،اس کتاب میں لکھا ہے کہ:

ایک سائنس دان نے اسے مادہ سے تعبیر کیا، فلسفی نے اسے عقل کل مانا اور مذہبی اسے خدا سمجھتا ہے۔ (شعور و آگہی صفحہ 19)

مذکورہ عبارت میں خدا، عقل کل اور مادہ ایک چیز کی مختلف تعبیریں یا مختلف نام بتائے گئے ہیں، یعنی حقیقت ایک ہی ہے مگر نام الگ الگ ہیں۔ مذکورہ کتاب پر خود تنظیم کے روح روان حضرت شاہ سعید احمد رائپوری صاحب کی تقریظ بھی موجود ہے۔ حالانکہ یہ کسی سے بھی مخفی پوشیدہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق کائنات قدیم اور موت سے پاک ذات ہے جبکہ مادہ مردہ اور بے جان ہے۔ مگر فکری حضرات خدا اور مادہ کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں۔ انکی ایک دوسری کتاب میں لکھا ہے کہ:

ایک طبیعی نے اسے مادہ سے تعبیر کیا، فلسفی نے اسے عقل کل مانا اور ایک مذہبی آدمی اسے خدا کہتا ہے۔ (حالات، تعلیمات ، سیاسی افکار صفحہ 104،105)

جبرئیل علیہ السلام کے متعلق نظریہ

فکری حضرات جبرئیل علیہ السلام کی وجود حقیقی کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک جبریل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفسیاتی طاقت اور وجدانی قوت کا نام ہےاسی کو مذہبی اصطلاح میں جبرئیل کہتے ہیں، چنانچہ بعض کے حوالے سے بطور استدلال لکھتے ہیں:

جبرئیل جو انبیاء علیہم السلام کو نظر آتے ہیں اور خدا کی طرف سے وحی لاتے ہیں، وہ حقیقت جبرئیلیہ ہے جو انبیاء کی قوتوں میں سے ایک قوت کا نام ہے۔یہی قوت صورت بن کر عالم مثال میں انبیاء کو محسوس ہوتی ہےاور خدا کی طرف سے قاصد بن کر پیغام لاتی ہے تو انبیاء کرام اپنے آپ ہی سے مستفید ہوتے ہیں نہ کسی اور سے، جو کچھ ان کو نظر آتا ہے وہی ہے جو ان کے خزانہ میں مخزون تھا۔(افادات وملفوظات صفحہ 228)

اسی طرح لکھتے ہیں کہ:
جبرئیل محمد درذات محمد بود صلی اللہ علیہ وسلم وہم چینین جبرئیل باہر پیغمبرے درذات وے بود، وآن قوت باطنی ایشان بود کہ درغلبہ آن قوت برایشان وحی نازل می گرید، لہذا جبرئیل باہر پیغمبرے بزبان وے سخن گفتہ۔(افادات وملفوظات صفحہ 228)
ترجمہ: محمد کا جبرئیل محمد کی ذات میں تھا اور اسی طرح ہر پیغمبر کا جبرئیل اس کی ذات میں ہوتا تھا، اور وہ (جبرئیل)ان کی باطنی قوت کا نام ہوتا تھا، جب اس قوت کا غلبہ ہوتا تو ان پر وحی نازل ہوتی، یہی وجہ ہے کہ ہر پیغمبر کا جبرئیل اس کی زبان میں اس کے ساتھ گفتگو کرتا تھا۔

ذرا غور کیجئے! یہ مختصر سی عبارت کس قدر خطرناک ہے؟اہل علم حضرات اس کا بخوبی اندازہ لگاسکتے ہیں۔اسلام میں قسم قسم کے شکوک وشبہات پیدا کرکے معصوم اور ناواقف ذھنوں کو دین اسلام سے بدظن اور گمراہ کرتے ہیں۔ مستشرقین قرآن مجید کو آپ علیہ السلام کے ذھن کی ایجاد قرار دیتے ہیں جس کے لئے وہ سب سے پہلے جبرئیل علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں اور اگلے قدم میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن مجید بھی درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا بنایا ہوا کلام اور آپ کے دل سے اٹھنے والی آواز ہے۔ جبرئیل کوئی خارجی قوت نہیں بلکہ پیغمبر کی نفسیاتی قوت کا نام ہے، یعنی قرآن اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذھن کی ایجاد ہے۔اور یوں وہ دین کی بنیادیں ہی کاٹ ڈالتے ہیں کہ جب قرآن ہی آپ کی ایجاد ہے تو باقی دین کا کیا سوال؟ سارا کا سارا دین آپ علیہ السلام کے ذھن کی کرشمہ سازی ہے۔العیاذ باللہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق نظریہ

تنظیم فکر ولی اللہی کے سرپرست مولانا رائے پوری فرماتے ہیں:

> گروہ پیدا کرنا سامراج کی سب سے اولین پالیسی ہے۔ حضرت موسی کو اس وقت کے سامراج نے اسی اعتبار سے فیل کردیا، یعنی بنی اسرائیل کے بارہ گروہ بنادیئے جو آپس میں تو لڑتے تھے مگر ظالم کے خلاف نہیں لڑتے تھے۔ ڈیوائڈ اینڈ رول کی پالیسی کا سب سے پہلے تصور فرعون نے دیا۔(واہ چھاؤنی میں رائے پوری کی تقریر، ترتیب وتحریر مفتی عبدالقدیر، بحوالہ فکری رسالہ عزم ص 14، سیریز170، ماہ نومبر1998)

ذرا سوچئے:ایک الو العزم پیغمبر کے متعلق کتنی بڑی گستاخی ہے کہ سامراج (فرعون)نے انہیں ناکام کردیا۔ کیا خدائی نظام طاغوتی نظام سے ناکام ہوسکتا ہے؟
مزید ایک فکری لکھتے ہیں کہ:

> حضرت موسیٰ علیہ السلام بذاتِ خود بڑے العزم نبی تھے اور ان کی نظیر تاریخ میں بہت کم ملتی ہے مگر ان کے رفقاء کی کمزوری سے انہیں بے حد تکالیف پیش آئیں اور منزل مقصود پر پہنچنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ (قرآنی شعور انقلاب ص 297)

اسی طرح فکریوں کی تفسیر"المقام المحمود"میں لکھا ہوا ہے کہ:

> پہلے نبی قومی پروگرام لے کر آئے تھے مگر موسیٰ علیہ السلام بین الاقوامی تعمیری پروگرام لے کر آئے مگر وہ اپنی قوم میں اس قدر استعداد پیدا نہ کرسکے کہ قوم اس بین الاقوامی پروگرام کو چلاسکتی۔

(المقام المحمود ص315)

مذکورہ عبارت میں ایک جلیل القدر نبی کے متعلق"استعداد پیدا نہ کرسکے" والا جملہ قابل غور ہے، جس میں موسی علیہ السلام کو ایک ناکام نبی ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔
یہی عبارات اگر آپ فکریوں کے سامنے ذکر کرکے کہے کہ مذکورہ عبارات جناب مودودی صاحب کا ہے کیا خیال ہے ان کے متعلق؟ تو فوراً کہے گا کہ یہ تو بڑاگستاخ ہے لیکن جب فکریوں کی کتاب کا حوالہ دوگے تو پھر ایک جانب تو بے جا تاویلات کا سہارا لیا جاتا ہے اور دوسری جانب آپ کو یہی کہا جائیگا کہ جناب یہ بڑے لوگوں کی باتیں ہیں آپ اس کو نہیں سمجھ سکتے۔

حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام کے مسلمہ عقیدے سے صریح انکار

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع و نزول کا عقیدہ نصوص قرآنیہ،احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، ابتدائے اسلام سے لیکر آج تک یہ عقیدہ مسلمانوں کا چلا آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ: یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیاہے،نہ سولی دی ہے،بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف سے آسمان پر اٹھالیاہے۔وماقتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ۔ اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی یہ عقیدہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔
مختصراً یہ کہ یہ عقیدہ بلا اختلاف ضروریات دین میں شمار ہوتا ہے اور اس پر ایسے صریح شواھد اور واضح دلائل موجود ہیں کہ کسی مسلمان کو ان سے انکار کرنے اور کسی تاویل وتحریف کی گنجائش نہیں۔
جبکہ فکریوں کی تفسیر"الہام الرحمن"میں لکھاہے۔

ومات عیسی وھو کھل........وأما مایقال من أنہ رفع الی السماء وھو شاب لم یبلغ سن الکھولۃ فذالك غیر صحیح۔
ترجمہ:عیسیٰ علیہ السلام نے ادھیڑعمری میں وفات پائی۔۔۔۔۔۔اور یہ جو کہا جارہا ہے کہ وہ جوانی ہی آسمان کی طرف اٹھائے گئےاور اس وقت تک وہ ادھیڑ عمر تک نہیں پہنچے تھے،یہ صحیح نہیں ہے۔ (تفسیر الہام الرحمن، جلد2، ص 44،45)

اسی تفسیر میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:

نعم تنتظر طائفۃ من المسلمین نزول المسیح،ولکن لیس ذلك بحکم القرآن وأنا انما ادعو کم الیہ لا الی غیرہ،وقد جربناہ أنہ اذا جوزناہ انتظار نزول المسیح بنص القرآن فاننا عند اذا لا انقدر

على دعوة الناس الى القرآن لا المسلمين ولا لغيرهم، ونحن بحمد الله قدرنا على فهم القرآن، ولم نر فيه ذكر نزول المسيح، ونعد ذلك من فضل الله۔ (تفسير الهام الرحمن جلد2 صفحه 231)

ترجمہ: جی ہاں مسلمانوں کا ایک گروہ عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کا انتظار کرتا ہے لیکن یہ عقیدہ رکھنا قرآن کے حکم کے مطابق نہیں ہے اور میں تمہیں قرآن کی طرف بلاتا ہوں نہ کہ کسی اور چیز کی طرف۔ہمیں تجربہ ہے کہ جب ہم نزول مسیح کے انتظار کو قرآن کی نص سے جائز قرار دیں تو پھر ہم لوگوں کو قرآن کی طرف دعوت نہیں دے سکتے نہ مسلمانوں کو اور نہ مسلمانوں کے علاوہ دوسروں کو۔ ہم بحمداللہ قرآن کے سمجھنے پر قادر ہیں اور ہم نے اس میں (قرآن میں) عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کا ذکر نہیں دیکھا اور اسے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا احسان شمار کرتے ہیں۔

تفسیر "المقام المحمود"(جو مکی دارالکتب نے شائع کی ہے اور اس پر تنظیم کے مفتی عبدالقدیر شیخ الحدیث رئیس دارالافتاء و مہتمم جامعہ خدیجۃ الکبریٰ بورے والا، عبدالخالق، سعید الرحمن اور عباس شاہ صاحب جیسے مرکزی عہدیداروں اور زمہ داروں کے تبصرے موجود ہیں) میں مفتی عبدالقدیر صاحب نے اپنے تفسیری نکات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق لکھاہے کہ:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کی حقیقت اور اس کی تاریخی مثال"

آگے تفسیر میں درج ہے۔

(بل رفعه الله) جس طرح تمام بزرگ اللہ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اسی طرح اللہ نے ان کو بھی اپنی طرف اٹھا لیا۔یہ انسانیت کا عام قاعدہ ہے کہ جس بزرگ کی قبر مشتبہ ہو جائے (یعنی اس بزرگ کی قبر متعین نہ ہو اور لوگوں نے اس بزرگ کو کھلے طور دفن ہوتے نہ دیکھا ہو) تو اس کی متعدد جگہوں پر یا تو قبریں بنائی جاتی ہیں اور یا یہ کہاجاتا ہے کہ وہ آسمان پر چلا گیا۔(المقام المحمود جلد1 ص651)

دیکھیے! صراحتاً کھلے الفاظ میں حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار ہے۔ اور ایک جگہ تو باقاعدہ قادیانیوں کی تائید کی جارہی ہے۔لکھتے ہیں کہ:

آدم کی جنت موجودہ کشمیر تھی اور حضرت عیسی بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں کشمیر آئے۔ (المقام المحمود صفحہ 244)

بعینہ یہی بات قادیانی کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا حوالہ جات الزامات نہیں بلکہ فکریوں کی کتب میں لکھے ہوئے حقائق ہیں۔

(جاری)

مفتی رب نواز حفظہ اللہ، مدیر اعلیٰ مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ قسط: 1

سجدوں کے رفع الیدین کا ثبوت
رئیس محمد ندوی غیر مقلد کی زبانی

احادیث کا مطالعہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ جاتے اور سجدہ سے اُٹھتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے بلکہ ہر اونچ نیچ پر بھی رفع یدین کرنے کی روایات موجود ہیں مگربعد میں جس طرح رکوع کا رفع یدین چھوڑ دیا تھا(اور اس رفع یدین کے چھوڑنے کا اعتراف غیر مقلدین کی قریبا پندرہ کتابوں میں موجود ہے)،اسی طرح سجدوں کااور ہر اونچ نیچ کے وقت کئے جانے والا رفع یدین بھی ترک کر دیا تھا۔ مگر افسوس! چند افراد کے علاوہ ساری غیر مقلدیت سجدوں کے رفع یدین کی صحیح احادیث کو غیر ثابت کہنے پہ تلی ہوئی ہے۔ سجدوں کے رفع یدین کی حدیثیں اصول حدیث کی روشنی میں بھی صحیح ثابت ہوتی ہیں اور متعدد غیر مقلدین نے بھی ڈنکے کی چوٹ انہیں صحیح قرار دیا۔ حوالہ جات کے لیے بندہ کا تفصیلی مضمون "غیر مقلدین کی زبانی سجدوں کے رفع یدین کا ثبوت" (شائع شدہ مجلہ صفدر شمارہ نمبر 100،101) ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اس مضمون میں بندہ نے لکھا تھا:

> "ندوی صاحب نےاپنی اسی کتاب(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقہ نماز)میں سجدوں کےرفع یدین کومستحب اورمشروع ثابت کرنے کے لیے متعدد احادیث، آثار صحابہ اور افعال تابعین وغیرہ درج کئے ہیں۔ ندوی صاحب کی یہ ساری باتیں میں کسی مستقل مضمون میں آئندہ جمع کروں گا ان شاء اللہ۔"

آج اس ارادے کی تکمیل میں ندوی صاحب کی مذکورہ باتوں کو جمع کرکے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے لگا ہوں وباللہ التوفیق ۔

اس مضمون میں عنوانات میری طرف سے ہیں اور وہ ندوی صاحب کی عبارت کے پیشِ نظر ہیں ۔یعنی "لفظ ہیں میرے، بات ہے ان کی" والا معاملہ ہے ۔ندوی صاحب کی اتنی بات سے اتفاق ہے کہ سجدوں کا رفع یدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، پھرآپ نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ مضمون میں درج ندوی صاحب کی ہر ہر بات سے میرا اتفاق ضروری نہیں ہے ۔

سیدنا وائل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث

رئیس محمد ندوی نے ابو داود مع عون المعبود :۱،۲۶۳کے حوالہ سے حدیث وائل درج کی:

"جب سجود سے سر اُٹھایا تو پھر رفع یدین کیا،اسی طرح آپ نے پوری نماز پڑھ کر فراغت حاصل کی۔" (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقہ نماز صفحہ ۳۵۳)

بوقت سجدہ رفع الیدین مستحب و کارِ فضیلت ہے

ندوی صاحب نے مذکورہ حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا:

"مذکورہ بالا حدیث کی سند نہایت پختہ ، ٹھوس اور صحیح ہے اور جن احادیث میں بوقت سجدہ رفع الیدین کی نفی کی گئی ہے وہ معنوی اور حقیقی طور پر اس حدیث صحیح کے تعارض اور مخالف نہیں ہے ...بوقت سجدہ کچھ احادیث میں رفع الیدین کا ذِکر نہ ہونے کا مطلب یہ سمجھ لینا کہ بوقت سجدہ رفع الیدین ثابت اور مشروع و مسنون نہیں جب کہ احادیثِ صحیحہ میں اس کا اثبات موجود ہے صحیح اور درست نہیں۔ البتہ معاملہ یہ ہے کہ بوقت رکوع رفع الیدین کی طرح بوقت سجدہ رفع الیدین موکد نہیں اور وہ موکد ہونے کی بجائے صرف مستحب و کارِ فضیلت ہے۔"(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقہ نماز صفحہ ۳۵۴)

سجدوں کے رفع یدین کی حدیثیں دوسری حدیثوں کے خلاف نہیں

ندوی صاحب مذکورہ عبارت کے متصل بعد لکھتے ہیں:

"اس لیے (کہ)بعض احادیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت سجدہ رفع الیدین کبھی کبھار یابسا اوقات چھوڑ بھی دیتے تھے بوقت سجدہ رفع الیدین کو کبھی کبھار ترک کرنے والے موقف پر عمل کرتے ہوئے جس وقت آپ نے رفع الیدین نہیں کیا اس وقت والی نماز کا مشاہدہ کرنے والے بعض صحابہ نے بیان کیا کہ آپ نے بوقت سجدہ رفع الیدین نہیں کیا اور کچھ لوگوں نے اسی کو آپؐ کا ہمیشہ والا معمول سمجھ لیا کہ ہر نمازی کی نظر و نگاہ و توجہ امام کی ہر نماز پر ہر سجدہ کے وقت ہوتی نہیں جس وقت آپ سجدہ کے وقت رفع الیدین کرتے تھے اس وقت ان صحابہ کی نظر و نگاہ نماز نبوی پر نہیں پڑی،اس لیے انہوں نے سمجھا کہ آپؐ سرے سے سجدہ کے وقت رفع الیدین کرتے ہی نہیں ہیں۔ اس تفصیل کو پیش نظر رکھنے سے بوقت سجدہ رفع الیدین کی نفی واثبات سے متعلق وارد شدہ احادیث کا ظاہری تعارض واختلاف برقرار نہیں رہتا اور نہ اس کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ نفی والی احادیث کو محفوظ و ثابت و معروف کہا جائے اور اثبات والی احادیث کو غیر محفوظ و غیر معروف و غیر ثابت و غیر معتبر و منکر و شاذ کہہ کر رد کر دیا جائے۔"

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقہ نماز صفحہ ۳۵۴)

سجدوں کے رفع یدین کی طرح رکوع کے رفع یدین کا ترک

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"یہ معلوم ہے کہ بعض صحابہ کی طرف منسوب روایات میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ بوقت تحریمہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع الیدین کرتے تھے مگر تحریمہ کے علاوہ نماز میں کہیں اور جگہ دوبارہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ان روایات کے مختلف جوابات میں سے ایک جواب اہلِ علم نے یہ دیا ہے کہ بوقت رکوع رفع الیدین فرض و واجب نہیں صرف مسنون و غیر موکد سنت ہے جس کا کبھی کبھار ترک کردینا بلا کراہت درست و جائز ہے اس لیے آپؐ فی الواقع کبھی کبھی بوقت رکوع رفع الیدین نہیں کرتے ہوں گے جسے دیکھنے والے نے سمجھ لیا کہ یہی آپؐ کا ہمیشہ والا معمول ہے اور آپ ہمیشہ رکوع کے وقت رفع الیدین کے بغیر نماز پڑھنے کا التزام کرتے اور معمول رکھتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بوقت رکوع رفع الیدین کی نفی والی روایات اور اثبات والی احادیث کے درمیان تطبیق کی یہ صورت سب سے زیادہ بہتر ہے جس کی بدولت نفی و اثبات والی احادیث میں سے کسی کا رد وابطال لازم نہیں آتا اور دونوں قسم کی احادیث اپنی جگہ پر برقرار رہتی ہیں بعینہ یہی موقف ہماری نظر میں تحریمہ و رکوع کے علاوہ نماز کے دوسرے مواقع پر رفع الیدین کے اثبات و نفی میں وارد شدہ بظاہر مختلف و متعارض احادیث کے سلسلے میں ہے اور یہی موقف ہماری نظرمیں صحیح و درست ہے جس کے ذریعہ اس سلسلے میں وارد شدہ اثبات و نفی والی جملہ احادیث اپنی جگہ پر برقرار رہتی ہیں اور مردود و باطل و متروک نہیں قرار پاتیں۔" (رسول اکرم کا صحیح طریقہ نماز صفحہ ۳۵۵)

سجدوں کے رفع یدین کو مشروع نہ سمجھنے والوں کا مقام

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ نماز میں یا کسی بھی عبادت میں جس فعل کا کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اور یہ بھی ثابت ہو کہ آپ کا کیا ہوا وہ فعل واجب و فرض نہیں اور یہ بھی ثابت ہو کہ آپ نے وہ فعل کبھی کبھار ترک بھی کر دیا ہے تو اس فعل کا کرنا نہ کرنے کے بالمقابل اپنی اہمیت کے مطابق بہت ساری فضیلت رکھتا ہے اور اس کی جس قدر تاکید ثابت ہو اسی قدر وہ وجوب کے بغیر مؤکد بھی ہوتا ہے مگر اسے متروک رکھنے کا التزام کرنا اور اسے نہ کرنا تقویٰ،شعار و دین دار اہلِ ایمان کا

شیوہ نہیں۔ اس طرح کے فعل نبوی کا بالکل ترک غلط طریق کار ہے اور مسنون و مشروع ہونے کے اقرار و اعتراف کے ساتھ اگر ترک کا مرتکب ہو تو غلطی اتنی بھیانک نہیں جتنی کہ اس کے مسنون و مشروع ہونے سے انکار کر بیٹھنے والوں کی غلطی ہے۔" (رسول اکرم کا صحیح طریقہ نماز صفحہ ۳۵۵)

ہر جھکنے، اُٹھنے اور تکبیر انتقال کے وقت رفع یدین کے مسنون ہونے کا دعویٰ

ندوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

"رکوع کے وقت والے رفع الیدین کے علاوہ نماز کے ہر خفض و رفع، جھکنے اور اُٹھنے، تکبیر انتقال کے وقت سنت غیر مؤکدہ ہے ۔ ہم نے یہ موقف اس سلسلے میں وارد شدہ تمام احادیث و روایات پر نظر رکھتے ہوئے اور صحابہ و تابعین و اسلاف کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے اختیار کیا ہے۔" (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقہ نماز صفحہ ۳۵۵)

حدیث وائل دوسری کتب کے حوالے سے

ندوی صاحب سنن دار قطنی :۱٫۱۱۴و شرح معانی الآثار :۱٫۱۳۲ کے حوالے سے حدیث لکھتے ہیں:

"علقمہ بن وائل بن حجر حضرمی نے اپنے باپ وائل بن حجر کے واسطہ سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحریمہ و رکوع اور سجدہ کے وقت رفع الیدین کرتے تھے ۔ "(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقہ نماز صفحہ ۳۵۶)

ندوی صاحب مذکورہ حدیث درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اس حدیث کی سند متصل و صحیح ہے۔" (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقہ نماز صفحہ ۳۵۶)

ندوی صاحب نے امام بخاری کی طرف منسوب جزء رفع الیدین نمبر:۷۰صفحہ ۱۴۳ کے حوالہ سے لکھا :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت رکوع و بوقت سجدہ رفع الیدین کرتے تھے۔" (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقہ نماز صفحہ ۳۵۷)

سجدوں کے رفع یدین والی نماز "نماز نبوی" ہے

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"بوقت سجدہ رفع الیدین کے اثبات میں بحوالہ ابی داود (جو حدیث ہم نقل کر آئے ہیں اس میں حسن بصری کا یہ قول بھی منقول ہے کہ اسی وصف والی نماز در اصل نماز نبوی ہے جس نے اس وصف والی نماز پڑھی اس نے وصف نبوی والی نماز پڑھی اور جس نے چھوڑا اس نے طریق نماز نبوی چھوڑا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام حسن بصری بھی بوقت سجدہ رفع الیدین والی حدیث کو ثابت اور قابل عمل مانتے تھے اور حسن بصری ہی نہیں عام اکابر تابعین کا یہی موقف و عمل تھا جیسا کہ کچھ حضرات سے ہم اسے نقل کر بھی آئے ہیں۔" (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقہ نماز صفحہ۳۵۷)

مثبت کو منفی پر ترجیح کے اصول سے سجدوں کے اثباتِ رفع یدین کو نفی پر ترجیح ہے

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"امام بخاری والی یہی بات بوقت سجدہ رفع الیدین کے اثبات و نفی کے سلسلے میں جاری کرنی ضروری ہے کیوں کہ تمام اہلِ علم اس اصول پر متفق ہیں کہ مثبت و اثبات کنندہ کی بات منفی و منکر کی بات پر مقدم ہے جب کہ مثبت و منفی دونوں ثقہ و معتبر ہوں کسی کی بات کو رد نہیں کیا جائے گا بلکہ منفی و منکر کی بات اس کے اپنے علم کے مطابق اور اپنی جان کاری و واقفیت یا اپنے حفظ و یاد داشت کے مطابق مانی جائے گی کہ اس نے اپنی معلومات کے مطابق انکار کیا ہے اور مثبت نے اپنے علم و مشاہدہ و جانکاری کے مطابق اثبات کیا ہے۔ یہ اصول بہت پختہ اور ٹھوس ہے اور اس کلیہ سے صرف وہی چیز مستثنی قرار پائے گی جس کے مستثنی ہونے پر معتبر ثبوت و دلیل ہو۔ ہم سمجھتے ہیں کہ معاملہ فہمی کے لیے مذکورہ بات بہت کافی ہے۔" (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقہ نماز صفحہ۳۵۹)

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث

ندوی صاحب نے سنن نسائی باب رفع الیدین للسجود حدیث: ۱۰۸۶ درج کی :

"مالک بن حویرث نے کہا کہ انہوں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تحریمہ و رکوع و سجود کے وقت جھکتے اور اُٹھتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔"

ندوی صاحب مذکورہ حدیث درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"نیز ملاحظہ ہو المحلی لابن حزم ج ۴ ص۱۲۷ و فتح الباری بحوالہ صحیح ابی عوانہ نمبر حدیث ۷۳۹ج ۲ ص ۲۳۔ مذکورہ بالا حدیث کی سند میں صرف یہ علت موجود ہے کہ قتادہ کی تدلیس پائی جاتی ہے ورنہ اس کے رواۃ بلند پایہ ثقہ ہیں اور یہ علتِ تدلیس گذشتہ روایتوں کی متابعت سے نیز بعد میں آنے والی روایات کی متابعت سے دُور ہو جاتی ہے اور یہ روایت بذات خود بھی اس معنی کی گزشتہ اور آنے والی روایات کی متابع و شاہد ہے۔" (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقہ نماز صفحہ ۳۵۹)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"مسند ابی یعلی وغیرہ میں حضرت انس سے مروی ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ فی الرکوع والسجود یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع و سجود کے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج اص ۲۳۵و مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۱بحوالہ مسند ابی یعلی المحلی لابن حزم ج ۴ ص ۱۲۷، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۹۰، تلخیص ج ۱ ص ۲۱۹) امام ہیثمی اور ابن دقیق العید وغیرہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند کے رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ اس کے رواۃ اگرچہ ثقہ ہیں مگر حضرت انس سے اسے روایت کرنے والے حمید طویل مدلس ہیں اور ان کی اس روایت میں تدلیس واقع ہوئی ہے مگر یہ علت تدلیس اس کے پہلے والی روایات کی متابعت سے دُور ہو جاتی ہے اور یہ روایت بھی اپنے پہلے والی روایات کی متابع ہے ۔نیز آنے والی روایات سے بھی اس کی متابعت ہوتی ہے۔"
(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقہ نماز صفحہ۳۶۰)

.....جاری ہے

محترم محمد حذیفہ راجکوٹی حفظہ اللہ

ناصبی کون؟

عبدالرحمن ستی صاحب نے اپنی ایک ویڈیو میں "تاریخ امت مسلمہ" کی مختلف عبارات نقل کرکے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ جن باتوں کی وجہ سے تم لوگ ہمیں "ناصبی"، "یزیدی" کہتے ہو، وہ باتیں تو مولانا اسماعیل ریحان صاحب نے بھی لکھی ہیں لیکن تم انہیں "یزیدی" اور "ناصبی" نہیں کہتے، اس پر عرض ہے کہ موصوف نے یہ سمجھا ہی نہیں کہ ہم انہیں "ناصبی" اور "یزیدی" کیوں کہتے ہیں اور اسی نا سمجھی میں موصوف نے "تاریخ امت مسلمہ" کی مختلف عبارات پیش کرکے یہ سوال کردیا کہ:

"یہی باتیں ہم کہیں تو ناصبی اور آپ کہیں تو حسینی، ایسا کیوں؟"

موصوف نے "تاریخ امت مسلمہ" کے مختلف مقامات سے نو عبارتیں پیش کی ہیں جن میں سے اکثر کا سیاق و سباق کاٹ دیا ہے، ہم نمبروار ان عبارات کو آپ کے سامنے پیش کریں گے، جس سے آپ کو ستی صاحب کے مبلغ علم اور ان کی امانت و دیانت کا اندازہ ہوجائے گا، جس پر یہ کہاوت مکمل طور پر منطبق ہوتی ہے کہ:

"کہیں کی اینٹ، کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا"

"تاریخ امت مسلمہ" کی عبارات پیش کرنے سے پہلے ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ستی صاحب اپنی ویڈیو کے اندر "ناصبیت" اور "یزیدیت" کی تعریف نہ کرسکے چنانچہ آپ ان کی پوری ویڈیو دیکھ لیں آپ کو اس میں "ناصبیت" اور "یزیدیت" کی تعریف نہیں ملے گی، باقی ہم ان حضرات کو "یزیدی"، "ناصبی" کیوں کہتے ہیں؟ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ ہم ان حضرات کو "ناصبی" اور "یزیدی" اسلئے کہتے ہیں کہ یہ حضرات واقعہ کربلا، واقعہ حرہ اور حصار مکہ جیسے عظیم سانحات میں یزید اور اس کی فوج کو بالکل بے قصور ٹھہراتے ہیں بلکہ یزیدی فوج کو بری قرار دینے کیلئے ساٹھ کوفیوں کی ایک کہانی بھی ان حضرات نے گھڑی ہوئی ہے اور اسی طرح یزید کی مدح بھی کرتے ہیں اگرچہ وہ صریح الفاظ میں نہیں کرسکتے اور اسی طرح یزید کے حوالے سے جمہور اکابر علماء دیوبند کا جو مسلک ہے یعنی "فسق یزید" کا اسے تسلیم نہیں کرتے، بلکہ الٹا اس کی تعدیل کرتے ہیں۔

قارئین کرام! آپ ان کی تحریرات اٹھاکر دیکھ لیجئے یا ان کی ویڈیوز دیکھ لیجئے آپ کو محسوس ہوگا کہ یہ "دفاع یزید" کا فریضہ سر انجام دے رہے ہیں، یاد رہے کہ ہم نے جو پیچھے عرض کیا یہی "یزیدیت" اور "ناصبیت" نہیں ہے بلکہ یہ بھی "یزیدیت" اور "ناصبیت" ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ ایک راوی کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"قلت: ما یلام الشیعی علی بغض هذا الناصبی الیزیدی الذی ینال من علی ویروی مناقب یزید"

(تاریخ الإسلام للذہبی، جلد: 3، ص: 146)

ترجمہ: میں (ذہبیؒ) کہتا ہوں: یہ (لمازۃ بن زبار) ناصبی یزیدی جو علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہے اور یزید کے مناقب بیان کرتا ہے، سے بغض رکھنے پر شیعہ کو ملامت نہیں کیا جائے گا۔

یہاں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے کی وجہ سے اس راوی کو "ناصبی" اور یزید کے مناقب بیان کرنے کی وجہ سے "یزیدی" کہا ہے،جس سے معلوم ہوا کہ یزید کی مدح کرنے والے اور اس کے مناقب بیان کرنے والوں کو "یزیدی" کہنے کی اصطلاح کوئی آج کی نہیں ہے بلکہ پرانی ہے۔
اسی طرح آپ کے مقتدا پروفیسر طاہر علی الہاشمی صاحب "ناصبیت" کے مفہوم کو متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"قاضی مظہر حسین صاحب خود اور مولانا عبد الحق خان بشیر و دیگر علماء کرام مع حافظ عبد الجبار سلفی (جن کا حوالہ اس بحث میں آیا ہے) فتویٰ "ناصبیت" کے زیادہ مستحق قرار نہیں پاتے؟ کیا وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا،حضرت علی رضی اللہ عنہ،حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صریح توہین کے مرتکب نہیں ہوئے؟" (سیدنا معاویہ پر سو اعتراضات کا علمی جائزہ،ص: 71)

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ کے مقتدا کے نزدیک "ناصبیت" کا معنی حضرات اہل بیت کی توہین کرنا اور ان سے بغض رکھنا ہے اور خیر سے موصوف خود حضرت علی رضی اللہ عنہ پر "تنقید" کرنے کی بناء پر اپنے فتوے کی رو سے "ناصبی" بھی ٹھہرتے ہیں، چنانچہ ایک دوسری جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ناقل) مقتول خلیفہ کے ورثاء اور متعلقین کو تو بے دست و پا کرنے میں مصروف ہیں لیکن انہوں نے قاتلوں کو فوج میں سپہ سالاری اور گورنری تک کے عہدے بھی دے رکھے ہیں" (تذکرہ سیدنا معاویہ،ص: 499)

ستی صاحب! مذکورہ بالا عبارت میں کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سیاسی فیصلے پر تنقید نہیں کی گئی اور کیا صحابی رسول پر یا اس کے فیصلوں پر تنقید کرنا "توہین" اور "گستاخی" نہیں ہے؟ تو اس بناء پر ہم ہاشمی صاحب کو انہی کے اصولوں کی بنیاد پر "ناصبی" کہیں تو آپ حضرات کو چیں بجبیں نہ ہونا چاہیے۔
ستی صاحب! آپ نے اپنی ویڈیو کے آخر میں یہ کہا ہے کہ:

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کو "بغاوت" کہنے کو ہم اپنے ایمان مشکوک بنانے کے مترادف سمجھتے ہیں"

جبکہ آپ کے دوسرے مقتدا،محمود عباسی صاحب اسے "خروج" و "بغاوت" تعبیر کرتے ہیں چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ:

"حضرت حسین کا اقدام سیاسی انقلاب پیدا کرکے اپنی حکومت قائم کرنے ہی کی غرض سے تھا اس لئے "خروج" سے تعبیر کیا گیا ہے" (خلافت معاویہ و یزید ،ص: 581)

تو پھر آپ کب عباسی صاحب کے ایمان کے "مشکوک" ہونے کا اعلان کریں گے؟ کیونکہ آپ کے فتوے کی رو سے تو ان کا ایمان مشکوک ہوچکا ہے بس آپ کی طرف سے صراحت باقی ہے، اسی طرح عباسی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"یہ بات بھی واقعات سے ثابت ہے کہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی یہ خواہش ان کو عرصہ سے تھی،موقع مناسب کے منتظر تھے"(ایضا)

عباسی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت واضح طور پر "توہین" پر مشتمل ہے،کیونکہ اس عبارت کے اندر عباسی صاحب واضح انداز میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اقتدار کا لالچی قرار دے رہے ہیں،کیا یہ "توہین" نہیں ہے کیا اس بنیاد پر انہیں "ناصبیت" کے فتوے سے بچایا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، لہذا معلوم ہوا کہ ہمارا آپ حضرات اور آپ کے مقتداؤں کو "ناصبی"، "یزیدی" کہنا بالکل اصول کے مطابق ہے جسے ہم نے آپ ہی کے مقتداؤں کی تحریرات سے ثابت کردیا ہے، اسلئے آپ کو چاہیے کہ حقائق کو قبول کریں ورنہ دلائل سے ہماری بات کو رد کریں۔
اب ہم آتے "تاریخ امت مسلمہ" کی عبارات پر،اب اسے نمبروار پیش کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا ان عبارات کے اندر یزید اور اس کی فوج کو واقعہ کربلا، واقعہ حرہ اور حصار مکہ جیسے سانحات سے بری قرار دیا گیا ہے یا نہیں؟ تو ملاحظہ فرمائیں:

عبارت نمبر ا:

سب سے پہلے ستی صاحب نے جو عبارت پیش کی ہے وہ دراصل شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی مایہ ناز کتاب "حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق" سے حضرت مولانا اسماعیل ریحان صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے پیش کی ہے وہ عبارت یہ ہے:

"{بلاشبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں یزید کا فسق و فجور کسی قابل اعتماد روایت سے ثابت نہیں ہے،اس لئے اس کو خلافت کا اہل تو سمجھا جاسکتا تھا}، لیکن امت میں ایسے حضرات کی کمی نہیں تھی جو نہ صرف دیانت و تقوی بلکہ ملکی انتظام اور سیاسی بصیرت کے اعتبار سے بھی یزید کے مقابلے میں بدرجہا بلند مقام رکھتے تھے، اگر خلافت کی ذمہ داری ان کو سونپی جاتی تو بلاشبہ وہ اس سے کہیں بہتر طریقے پر اہل ثابت ہوتے، یہ درست ہے کہ افضل کی موجودگی میں غیر افضل کو خلیفہ بنانا شرعاً جائز ہے (بشرطیکہ اس میں شرائط خلافت موجود ہوں)" (جلد: 2،ص: 424،425)

تبصرہ:

مذکورہ بالا عبارت میں حضرت شیخ الاسلام صاحب دامت برکاتہم العالیہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے یزید کے استخلاف کی شرعی حیثیت کو بیان کر رہے ہیں اور یہ بیان کر رہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ میں یزید کی حالت درست تھی اسلئے شرعاً اسے خلیفہ بنانا درست تھا، ستی صاحب نے اس پوری عبارت میں سے صرف بین القوسین {} حصے کو بیان کیا اور آگے کی عبارت کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کرگئے کیونکہ اگلی عبارت کے اندر ان کے ممدوح (یزید) کی مفضولیت کو بھی بیان کیا گیا ہے اور چونکہ حامیان یزید کو یہ قبول نہیں ہے اسلئے آگے کی عبارت کو نقل نہیں کیا، سوال یہاں پر یہ بھی ہے اس عبارت کے اندر کس مقام پر واقعہ کربلا، واقعہ حرہ اور حصار کعبہ جیسے سنگین سانحات سے یزید کی برأت کو بیان کیا گیا ہے یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اس کے فسق و فجور سے انکار کیا گیا ہے؟ جو مولانا اسماعیل ریحان صاحب دامت برکاتہم العالیہ پر "ناصبیت" یا

"یزیدیت" کا فتویٰ لگایا جائے؟

عبارت نمبر ۲:

دوسری عبارت جو ستی صاحب نے بیان کی وہ یہ ہے:

"خلیفہ بننے کے بعد یزید کی بعض زیادتیاں صحیح روایات سے ثابت ہیں، یہ وہ اقدامات تھے جنہوں نے شہادت حسین رضی اللہ عنہ، واقعہ حرہ اور حصار مکہ جیسے سانحوں کو جم دیا، {اگرچہ دور حکمرانی میں بھی یزید کا کسی متعین قسم کے فسق و فجور (شراب نوشی،ترک صلوۃ) کا مرتکب ہونا ضعیف روایات ہی میں مذکور ہے} تاہم خود بعض مدنی صحابہ اور تابعین کے ایک بڑے مجمعے کا اس کے فسق پر یقین کرنا اور اسی یقین کی بناء پر اس کے خلاف خروج کرنا صحیح السند بلکہ متواتر ہے، ان حضرات کے یقین پر ہم اپنے حسن ظن کو ترجیح نہیں دے سکتے، یہی وجہ ہے کہ جمہور علمائے اسلام "فسق یزید" پر متفق رہے ہیں اور اس کے فسق کی ضعیف روایات کو بھی قابل استدلال مانتے رہے ہیں" (جلد: 2،ص: حاشیہ427)

تبصرہ:

ستی صاحب نے یہاں پر بھی صرف بین القوسین {} عبارت کو نقل کیا اور اس سے پہلے اور بعد کی عبارت کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کرگئے، ایک متوسط درجے کا آدمی بھی مذکورہ بالا عبارت پڑھ کر یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ مولانا اسماعیل ریحان صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اگرچہ یزید کے کسی متعین قسم کے فسق و فجور میں مبتلا ہونے کی روایات کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن اس کے باوجود جمہور علماء کی پیروی میں یزید کو فاسق و فاجر تسلیم کیا اور ان روایات کو قابل استدلال مانا ہے اور اپنے حسن ظن پر مدنی صحابہ و تابعین کے یقین کو ترجیح دی ہے، لیکن معلوم نہیں ستی صاحب کو یہاں کون سی "ناصبیت" و "یزیدیت" نظر آگئی جو مولانا اسماعیل ریحان صاحب دامت برکاتہم العالیہ پر "ناصبیت" کا فتویٰ لگانے پر مصر ہیں۔

عبارت نمبر ۳:

تیسری عبارت جو ستی صاحب نے نقل کی ہے وہ یہ ہے:

"حضرت معاویہ رضی اللہ کی رائے سے متفق ہوکر جن لوگوں نے یزید کی ولی عہدی کو قبول کیا ان کا مؤقف بھی شرعی حدود سے باہر نہیں تھا، {ولی عہدی کی شرائط کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یزید کا عاقل، بالغ، مسلمان، تندرست اور قریشی ہونا ایسے حقائق ہیں جن پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں، وہ ایک جہادی مہم کا قائد اور امیر حج بھی رہ چکا تھا جس سے اس میں جنگجوئی اور انتظام کی کسی نہ کسی درجے میں صلاحیت ثابت ہوتی ہے، پس اس کے ظاہر حالات کو دیکھتے ہوئے یہ مان لینے کی گنجائش بھی موجود تھی کہ وہ خلافت کا اہل ہے}" (جلد 2، ص: 480)

تبصرہ:

مذکورہ عبارت بھی اپنے مدلول پر بالکل واضح ہے کہ یہاں حضرت مولانا اسماعیل ریحان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فعل کے شرعی جواز کو بیان کر رہے ہیں نہ کہ اس بات سے انکار کر رہے ہیں کہ یزید واقعہ کربلا، واقعہ حرہ اور حصار مکہ جیسے سانحات سے بری ہے، لہذا اس عبارت کو لے کر "ناصبیت" اور "یزیدیت" کے فتوے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کما لا یخفی علی اللبیب، یہاں بھی ستی صاحب نے بین القوسین {} عبارت سے پہلے والی عبارت کو چھوڑ دیا جس سے اس عبارت کی اصل غرض معلوم ہوتی تھی۔

عبارت نمبر ۴:

چوتھی عبارت جو ستی صاحب نے نقل کی وہ یہ ہے:

"{جہاں تک یزید کے شراب نوشی اور دوسری بدکاریوں میں ملوث ہونے کا سوال ہے تو جو روایات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان حرکتوں کا عادی تھا وہ ضعیف اور درایتاً مشکوک ہیں}، ہاں اس میں شک نہیں کہ وہ قائدانہ لیاقت اور دینی تصلب میں اس دور کے دیگر قابل اور صالح لوگوں سے خاصا پیچھے تھا،اس میں تدبر کی بھی کمی تھی، طبیعت میں عجلت پسندی، غیر مستقل مزاجی اور لاابالی پن واضح تھا جیسا کہ خلیفہ بننے کے بعد اس کے متعدد فیصلوں نے ثابت کیا، نیز وہ تفریحی مشاغل میں محتاط حد سے زیادہ مشغول رہتا تھا" (جلد: 2،ص: 425)

تبصرہ:

ستی صاحب سے ہمارا سوال ہے کہ یہاں پر کس مقام پر حضرت مولانا اسماعیل ریحان صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے یزید کو واقعہ کربلا، واقعہ حرہ اور حصار مکہ جیسے سانحات کی ذمہ داری سے بری قرار دیا ہے یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید کے "فسق و فجور" کا انکار کیا ہے؟ یہاں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یزید کی حالت کو بتایا جارہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں اس کی حالت درست تھی، اس میں آپ کو کون سی "ناصبیت" اور "یزیدیت" نظر آگئی؟ اور یہاں پر بھی آپ نے صرف بین القوسین {} عبارت کو نقل کیا جبکہ آگے کی عبارت جس میں یزید کے "مناقب" ذکر کئے گئے ہیں کو آپ شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے آخر ایسا کیوں؟

عبارت نمبر ۵:

پانچویں عبارت جو ستی صاحب نے نقل کی وہ یہ ہے:

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد ایک جانشین کا تقرر کردیا، یہ ان کا اجتہادی فیصلہ بالکل درست تھا مگر جانشین کیلئے اپنے بیٹے کو نامزد کرنا خطائے اجتہادی تھی جس میں وہ نیک نیت اور ماجور تھے مگر اس کے نتائج اچھے نہیں نکلے، {اس کے باوجود اکثریت نے یزید کی ولی عہدی اور خلافت کو تسلیم کرلیا تھا تاکہ خانہ جنگی نہ ہو}" (جلد: 2،ص: 641)

تبصرہ:

یہ عبارت بھی اپنے مدلول پر بالکل واضح ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کو ولی عہد بنانا بلاشبہ نیک نیتی کی بنیاد پر تھا لیکن اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطائے اجتہادی کا صدور ہوا جس پر وہ عنداللہ ماجور ہیں، اور

اسی طرح صحابہ کی اکثریت نے امت کو خانہ جنگی سے بچانے کیلئے اس کی خلافت کو تسلیم کرلیا، یہاں پر مولانا اسماعیل ریحان صاحب دامت برکاتہم العالیہ واضح الفاظ میں لکھ رہے ہیں کہ صحابہ نے خانہ جنگی سے امت کو بچانے کیلئے یزید کی بیعت کو قبول کیا نہ کہ یزید کو صالح اور عادل سمجھتے ہوئے جیسا کہ حامیان یزید اسی بیعت کو یزید کی تعدیل بیان کرنے کیلئے بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور ستی صاحب نے بھی صرف {} بین القوسین عبارت نقل کرکے اپنا مطلب کشید کرنے کی کوشش کی جبکہ اسی عبارت کے اندر ان کے اس نظریہ پر کلہاڑی چلائی گئی ہے کہ:

"صحابہ نے یزید کو عادل و صالح سمجھ کر بیعت کی تھی"

کیونکہ مذکورہ عبارت میں واضح موجود ہے کہ:

"صحابہ کی اکثریت نے اسلئے یزید کی ولی عہدی اور خلافت کو تسلیم کرلیا تھا تاکہ خانہ جنگی نہ ہو"

لہذا یہ عبارت بھی ستی صاحب کے کسی کام کی نہ رہی اور اس بنیاد پر ان کا مولانا اسماعیل ریحان صاحب دامت برکاتہم العالیہ پر "ناصبیت" اور "یزیدیت" فتوی لگانا، بالکل لغو و عبث ہے۔

عبارت نمبر ۶:

چھٹی عبارت جو ستی صاحب نے نقل کی وہ یہ ہے:

"ان حالات میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے پاس دمشق جانے کا فیصلہ کیا، یہ فیصلہ اتنا اٹل تھا کہ آپ کسی تردد کے بغیر فوراً اس پر عمل پیرا ہوگئے اور شام کا راستہ اختیار کرلیا، لائحہ عمل میں تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی فقاہت و بصیرت کی بدولت مسئلے کی نوعیت بدلتے دیکھ لی تھی، آپ سمجھ چکے تھے کہ یزید کی حکومت قائم اور مستحکم ہوچکی ہے لہٰذا ایک قائم شدہ حکومت کو ختم کرنے کی کوشش اب خروج اور بغاوت کے زمرے میں آئے گی، لہذا آپ نے شرعی حدود میں رہتے ہوئے متبادل راستے کو ترجیح دی اور چاہا کہ دمشق جاکر یزید سے ملاقات کی جائے" (جلد: 2،ص: 481)

تبصرہ:

مذکورہ عبارت بھی اپنے مدلول پر بالکل واضح ہے کہ اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لائحہ عمل کی تبدیلی کو ذکر کیا گیا ہے، اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ یزید واقعہ کربلا، واقعہ حرہ اور حصار مکہ جیسے واقعات کا زمہ دار نہیں ہے؟ لہذا اس عبارت کی بنیاد پر حضرت مولانا اسماعیل ریحان صاحب پر "ناصبیت" اور "یزیدیت" کا فتوی لگانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

عبارت نمبر ۷:

ساتویں عبارت جو ستی صاحب نے نقل کی وہ یہ ہے:

"{میدان کربلا میں سرکاری فوج کے افسران عمر بن سعد، شمر ذی الجوشن اور حصین بن نمیر کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بات چیت ہوئی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کو اللہ اور دین کا واسطہ دیا اور کہا:

"{مجھے امیرالمؤمنین کے پاس جانے دو، میں اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں گا"} یہ اتنا معقول اور واضح مطالبہ تھا جس پر حکام کے سارے گلے شکوے دور ہوجانے چاہیے تھے مگر عبیداللہ بن زیاد کی طرف سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو غیر مشروط طور پر گرفتار کرنے کا حکم تھا اس لئے سالاران فوج نے جواب دیا: "اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ آپ ابن زیاد کے فیصلے پر خود کو حوالے کردیں" (جلد: 2،ص: 484)

تبصرہ:

یہ عبارت بھی بالکل واضح ہے اور اس میں بھی کسی مقام پر یزید کی مدح یا اس کو واقعہ کربلا، واقعہ حرہ اور حصار مکہ جیسے سانحات سے بری نہیں قرار دیا گیا بلکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیش کی گئی معقول شرط کا ذکر اور اسے قبول نہ کرنے کی وجہ سے ابن زیاد اور اس کی فوج کی شقاوت اور بدبختی کو بیان کیا گیا ہے جبکہ ستی صاحب ابن زیاد اور اس کی فوج کو بچانے کیلئے ساٹھ کوفیوں کی گھڑی ہوئی کہانی (جس کے بارے میں انہوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ ایسی کوئی روایت موجود نہیں ہے جس میں یہ ذکر ہو کہ ساٹھ کوفیوں نے حضرے حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا) بیان کرنے سے بھی نہیں چوکتے اسی لئے تو ستی صاحب نے بین القوسین {} عبارت کے علاوہ آگے کی عبارت کو نقل نہیں کیا،کیونکہ اس سے ان کی ساٹھ کوفیوں والی گھڑی ہوئی کہانی کی قلعی کھل رہی تھی۔

عبارت نمبر ۸:

آٹھویں عبارت جو ستی صاحب نے نقل کی ہے وہ یہ ہے:

"{مشہور یہی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید نے قتل کرایا تھا یعنی عبیداللہ بن زیاد کو اس کا حکم یزید ہی نے دیا تھا مگر کسی روایت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا ہو، ثابت شدہ بات اتنی ہے کہ عبیداللہ بن زیاد نے اپنے اختیار پر یہ ستم ڈھایا تھا امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:
"اہل نقل کا اتفاق ہے کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا"
ابن صلاح فرماتے ہیں:
"ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا تھا}،ثابت شدہ بات یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے اس جنگ کا جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب بنی عبیداللہ بن زیاد حاکم عراق نے دیا تھا"
مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یزید کو سانحہ کربلا سے بری الزمہ ہے اور لاتعلق سمجھ لیا جائے" (جلد: 2،ص: 496،497)

تبصرہ:

یہ عبارت بھی بالکل واضح ہے کہ مولانا اسماعیل ریحان صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اس میں براہ راست یزید کی طرف سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دینے کی نفی کی ہے لیکن اسے اس سے بری ہرگز قرار نہیں دیا جبکہ ستی صاحب صرف بین القوسین {} عبارت نقل کرکے یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ گویا حضرت مولانا اسے بری قرار دے رہے ہیں حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے جیسا کہ اس سے اگلی عبارت سے ظاہر ہے۔

عبارت نمبر ۹:

نویں عبارت جو ستی صاحب نے نقل کی ہے وہ یہ ہے:

"یزید کے عہد حکومت میں شورائیت محدود تر اور خود رائی پر اصرار بڑھ گیا، تاریخ میں کوئی ہلکی سی جھلک بھی نہیں ملتی کہ حضرت حسین اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سیاسی اختلاف کے حل کیلئے یزید نے شورائیت کا اہتمام کیا ہو، بلکہ یہ ثابت ہے کہ ان دونوں بزرگوں کو بیعت پر اس قدر مجبور کیا گیا کہ انہیں سرکاری دباؤ سے بچنے کیلئے دیار رسول چھوڑ کر جانا پڑا، {حضرت نعمان بن بشیر، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین اور محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ جیسے اکابر جو امت کے اتحاد کی مصلحت کی خاطر یزید سے بیعت کرچکے تھے} یقینا اس حق میں نہ تھے کہ ان بزرگوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے، اگر یزید ان سے مشورہ کرتا تو یہ حضرات ہرگز وہ راستہ نہ دکھاتے جو اس نے اختیار کیا" (جلد: 3،ص: 159)

تبصرہ:

یہ عبارت بھی بالکل واضح ہے کہ حضرت مولانا اسماعیل ریحان صاحب دامت برکاتہم العالیہ اس میں دور یزید کی "اچھائیاں" بیان کر رہے ہیں کہ کس طرح حضرت حسین و حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ "اچھا سلوک" کیا گیا تھا، لیکن ستی صاحب کو اس پوری عبارت میں صرف بین القوسین {} عبارت نظر آئی جو انہیں اپنے مقصد کیلئے مفید معلوم ہوئی لیکن یہ عبارت بھی انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچاسکی کیونکہ اس میں صاف تصریح ہے کہ مذکورہ حضرات نے امت کو متحد رکھنے کی خاطر یزید کی بیعت کو قبول کیا نہ کہ اسے صالح اور عادل سمجھتے ہوئے، لہذا اس عبارت کی بنیاد پر حضرت مولانا پر "ناصبیت" اور "یزیدیت" کا فتوی لگانا علم و دیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

قارئین کرام!

مذکورہ بالا تفصیل پڑھ کر آپ کو ستی صاحب کے علم کی حدود اربعہ اور ان کی امانت و دیانت کا اندازہ ہوچکا ہوگا کہ کس طرح موصوف دوسروں کی عبارات سے اپنے مطلب کی بات لے کر اس میں معنوی تحریف کرکے عوام کی آنکھوں دھول جھونکتے اور ساتھ میں اپنے نام کے ساتھ "مفتی" بھی لکھتے ہیں۔یاللعجب

محترم محسن اقبال حفظہ اللہ

مفتی محمد شفیع علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب تین طلاق کے ایک ہونے پر فتویٰ کی تحقیق

کافی ٹائم سے اہلحدیث حضرات تین طلاق کے مسئلہ میں مفتی شفیعؒ کی طرف منسوب ایک فتوی پیش کرتے ہیں کہ

"مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے ایک موقع پر تین طلاق کے ایک ہونے کا فتوی دیا، چنانچہ ایک انگریز عیسائی جوڑے نے جس کو اسلام قبول کئے ہوئے دس بارہ سال ہی ہوئے تھے ، اپنی بیوی کو تین طلاقیں بیک وقت دے دیں ، تمام علماء نے حلالہ کا فتوی دیا ، کسی نے مشورہ دیا کہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے اجلاس میں مفتی محمد شفیع صاحب آئے ہوئے ہیں ان سے رجوع کرو ، وہ مفتی صاحب کے پاس گیا ، انہوں نے مشورہ دیا کہ صبح کو اپنے تمام واقعات لکھ کرلے آؤ ، وہ صبح آئے ، مفتی صاحب نے دوسرے مفتیان صاحبان کو جو تشریف رکھتے تھے ، وہ کاغذ دکھا یا ، سب نے حلالہ کا فتوی دیا ، جناب مفتی شفیع صاحب نے اس پر فتوی تحریر کیا:
"مسلمانوں کے ایک مسلک موسومہ بہ اھل الحدیث کے نزدیک ایک ہی طلاق ہوئی ، رجوع کرلیا جائے"
وہ چلے گئے اور رجوع کرلیا ، جب وہ چلے گئے تو مفتی صاحب نے فرمایا: اگر اس وقت میں یہ فتوی نہ دیتا تو یہ جوڑا پھر عیسائی ہوجاتا کہ جس اسلام میں میری ایک ذرا سی غلطی کی تلافی ممکن نہیں ہے ، وہ مذہب صحیح نہیں ہوسکتا [ماہنامہ الشریعہ جلد 21 شمارہ 7 جولائی 2010 صفحہ 14، بحوالہ تحفہ احناف ص 385]"

مفتی محمد شفیعؒ کی طرف منسوب اس فتوی کا حوالہ کئی اہلحدیث علماء نے اپنی کتب اور مضامین میں پیش کیا ہے لیکن آج تک کسی اہلحدیث عالم نے اس فتوی کو مفتی شفیعؒ کی کسی کتاب سے یا ان کے کسی مقالہ یا مضمون سے پیش نہیں کیا اور نہ ہی یہ تحقیق کی کہ یہ فتوی مفتی شفیعؒ کا ہے بھی یا نہیں بلکہ سب نے ہی ماہنامہ الشریعہ کے شمارہ میں سے حکیم ظل الرحمٰن صاحب کے بنا حوالہ مضمون سے ہی اٹھا کر احناف کے خلاف پیش کرنا شروع کر دیا جبکہ اصل میں یہ فتوی مفتی محمد شفیعؒ کا نہیں ہے بلکہ ان کی طرف غلطی سے منسوب ہو گیا ہے۔
سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ماہنامہ الشریعہ کے شمارہ "جولائی 2010" میں کسی حکیم ظل الرحمٰن صاحب" کے مضمون میں اس بات کو مفتی شفیعؒ کی طرف بنا کسی حوالہ کے منسوب کیا گیا اور وہاں سے ہی اکثر اہلحدیث علماء نے اور فیس بک کے نام نہاد محققین نے اس فتوی کو اٹھایا اور مفتی شفیعؒ کی طرف منسوب اس فتوی کو پیش کر کے یہ

کہنا شروع کر دیا کہ مفتی صاحبؒ کے نزدیک تین طلاق ایک ہوتی ہے۔

http://alsharia.org/2010/jul/fatawa-ijra-ihtiyat-hakeem-zillurrehman

مفتی شفیعؒ کی طرف منسوب اس فتوے کا انکار اسی ماہنامہ الشریعہ کے شمارہ "اکتوبر 2010" میں شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ایک مکتوب میں کیا گیا جس میں مفتی صاحب دامت برکاتہم نے وضاحت کی کہ ان کو اپنے والد ماجد مفتی شفیعؒ کے اس فتوے کے بارے میں علم نہیں اور یہ بات بنا تحقیق کے لکھی گئی ہے اور نہ ہی اس بات کا ماخذ معلوم ہے۔
تو یہاں مفتی شفیعؒ صاحب کی طرف منسوب اس فتوے کا انکار ان کے بیٹے شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم سے ہو گیا جو اسی ماہنامہ الشریعہ کے شمادہ "اکتوبر 2010" میں شائع ہوا اور مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم کی اسی بات کو ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے شمارہ "اکتوبر 2015" میں پیش کیا گیا ہے۔

http://alsharia.org/2010/oct/makateeb

اس کے بعد یہ بات جاننے کی ضرورت ہے کہ مفتی شفیعؒ کی طرف یہ فتوی منسوب کیسے ہوا؟
یہ واقعہ اصل میں " ماہنامہ برہان شمارہ دسمبر 1984" میں غلام محمد صاحب نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کی حیات پر مشتمل مضمون "مسلک سلیمانی" میں نقل کیا ہے۔
غلام محمد صاحب اپنے مضمون " مسلک سلیمانی" میں نقل کرتے ہیں کہ

"علامہ صاحب اکثر امور میں حنفی مذہب کے ہی پیرو تھے۔ رفع یدین نہیں کرتے تھے، بیس رکعت تراویح کا التزام تھا مگر ساتھ ہی قرآت خلف الامام اور ناگزیر صورت میں جمع بین الصلاتین پر بھی عمل تھا۔ فتوی لکھنے میں بھی شدومد سے کسی ایک مسلک کے پابند نہیں تھے۔"

اسی بات کی مثال دیتے ہوئے غلام محمد صاحب لکھتے ہیں کہ

"ایک انگریز میاں بیوی مسلمان ہوئے ، چند ہی دنوں میں آپس کی ناچاقی میں شوہر نے بیوی سے ایسے کلمات کہہ ڈالے کہ مذہب حنفی کی رو سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ، یہ ماجراان کے ایک مسلمان دوست نے سنا تو انہوں نے شوہر سے کہا کہ تمہارا تو نکاح ہی فسخ ہوگیا ، اب نو مسلم میاں بیوی بھی پریشان اور اس کے دوست بھی حیران ، احتیاطاً ان کے دوست نے بعض معتبر مفتیوں سے رجوع کیا ، مگر جواب طلاق قطعی ہی کا ملا، پھر وہ حضرت علامہ کی خدمت میں آئے ، سارا ماجرا سنایا ، علامہ نے فرمایا کہ مفتی صاحب (مولانا محمد شفیع صاحب) سے پوچھئے، انہوں نے عرض کیا کہ وہاں سے تو یہی

جواب ملا ہے ، علامہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا : تو آپ کا کیا جی چاہتا ہے کہ جواب برعکس ملے ، اس پروہ چپ رہے ، تب علامہ نے ان سے فرمایا کہ کہ آپ ایک استفتاء لکھ کر کل مفتی صاحب کے سالانہ اجلاس میں لایئے، مجھے جو کچھ لکھنا ہوگا وہیں لکھ دوں گا ، چنانچہ دوسرے روز جلسہ جب ختم ہوا اور مخصوص علماء جن میں مفتی محمد حسن امر تسری ، مولانا ادریس کا ندھلویؒ اور خود مفتی محمد شفیع صاحب تھے ، چائے نوشی کے لئے ایک کمرہ میں بیٹھ گئے ، تو علامہ نے ان صاحب سے استفتاء لے کر ایک ایک کو دکھلایا ، متفقہ جواب تھا کہ طلاق واقع ہوگئی، پھر حضرت علامہ نے اس پر اپنے قلم سے یہ فتویٰ تحریر فرمادیا کہ اہل سنت والجماعت میں مسلک اہل حدیث کی رو سے طلاق واقع نہیں ہوئی ، رجوع کرادیا جائے ، پھر علماء کرام کو یہ دکھلاتے ہوئے فرمایا کہ وہ نومسلم بیچارے تو ابھی نہ حنفی ہیں ، نہ شافعی، لہٰذا قانون میں کوئی بھی گنجائش نکلتی ہو تو اس کا فائدہ انہیں ملنا چاہئے، اس پر حضرت مفتی صاحب نے برملا فرمایا کہ یہ جواب حضرت ہی لکھ سکتے ہیں، ہم چوں کہ فقہ حنفی کے مفتی ہیں، اس لئے نہیں لکھ سکتے ، پھر مفتی اعظم پاکستان نے بھی اس کی تائید فرما دی" (رسالہ برہان دسمبر 1984ء مضمون غلام احمد)(مکاتبت سلیمان، صفحہ 135/136 مصنف محمد زید مظاہری ندوی)

اسی واقعہ کو بحوالہ غلام محمد صاحب محمد زید مظاہری ندوی صاحب نے اپنی کتاب " مکاتیبت سلیمان" میں نقل کیا ہے اور ساتھ تنبیہی نوٹ شامل کیا ہے کہ

" تنبیہ: سید صاحبؒ کا یہ فتویٰ وگنجائش ایک خاص واقعہ اور حالت میں تھی(واقعۃ حال لا عموم لہا) جس کو بنیاد بنا کر عمومی طور پر یہ اجازت نہیں دی جا سکتی۔" (مکاتبت سلیمان، صفحہ 135/136 مصنف محمد زید مظاہری ندوی)

غلام محمد صاحب کے اس واقعہ سے چند باتیں معلوم ہوئیں کہ

1: یہ فتوی مفتی شفیعؒ کا نہیں بلکہ سلیمان ندوی صاحب کا ہے جو بقول غلام محمد صاحب فتوی دینے میں کسی مسلک کے پابند نہیں تھے۔

2: مفتی شفیعؒ صاحب اور باقی احناف نے تین طلاق کا ہی فتوی دیا تھا جیسا کہ اس واقعہ میں صراحتاً موجود ہے۔

3: سلمان ندویؒ نے بھی وہ فتوی اس لئے دیا تھا کہ وہ جوڑا نو مسلم تھا اور نہ حنفی تھا اور نہ شافعی اس لئے قانونی گنجائش نکالی گئی۔

4: غلام محمد صاحب نے بھی واقعہ اپنی یاداشت سے نقل کیا جیسا کہ اسی واقعہ میں انہوں نے کہا ہے کہ " لفظی تعبیر ممکن ہے، غالب یاداشت یہی ہے" تو اس واقعہ کے نقل کرنے میں بھی غلطی کی گنجائش موجود ہے۔

پھر واضح طور پر ماہنامہ الشریعہ کے حکیم ظل الرحمٰن صاحب کے مضمون میں اور غلام محمد صاحب کے اصل مضمون میں بہت فرق ہے۔

حکیم ظل الرحمٰن صاحب نے لکھا کہ
"ایک انگریز عیسائی جوڑے نے جس کو اسلام قبول کیے ہوئے دس بارہ سال ہی ہوئے تھے"
جبکہ اصل مضمون میں لکھا ہے کہ نو مسلم تھے۔
حکیم ظل الرحمٰن صاحب نے لکھا کہ
"تمام علما نے حلالہ کا فتویٰ دیا۔"
جبکہ اصل مضمون میں حلالہ کا ذکر ہی موجود نہیں ہے۔
حکیم ظل الرحمٰن صاحب نے اپنی لاعلمی کی بنیاد پر مکمل واقعہ کو مفتی محمد شفیعؒ کی طرف منسوب کر دیا جبکہ اصل واقعہ میں صراحتاً موجود ہے کہ مفتی شفیعؒ نے تین طلاق کا ہی فتویٰ دیا تھا اور اہلحدیث کے مسلک پر فتویٰ سلیمان ندوی صاحب نے دیا تھا۔

تو یہ تھی اس واقعہ کی اصل حقیقت جس کو سب اہلحدیث علماء اور فیس بک کے نام نہاد محققین مفتی شفیعؒ کی طرف بنا تحقیق کے منسوب کر کے پیش کئے جا رہے ہیں۔

اللھم اھدنا الصراط المستقیم بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

طاہر گل دیوبندی قسط: 3

مفتی محمد حسین نیلوی صاحب کے عقائد و نظریات

مسئلہ توسل اور نیلوی صاحب کا مذہب اہل السنہ سے خروج:

اہل السنت والجماعت کا موقف ہے کہ دعا میں انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین، شہداء و صالحین کا توسل لینا ان کی زندگی میں بھی جائز ہے اور وفات کے بعد بھی جائز ہے۔ چنانچہ المہند علی المفند میں سوال نمبر ۴ کے جواب میں فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں (ترجمہ پر اکتفاء کرتے ہیں)

"ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء و صلحاء و اولیاء و شہداء و صدیقین کا توسل جائز ہے ان کی حیات میں یا بعد وفات، بایں طور کہ کہے یا اللہ میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت براری چاہتا ہوں اسی جیسے اور کلمات کہے چنانچہ اس کی تصریح فرمائی ہے ہمارے شیخ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی ثم المکیؒ نے، پھر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس کو بیان فرمایا ہے جو چھپا ہوا آج کل لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے اور یہ مسئلہ اس کی پہلی جلد کے صفحہ ۹۳ پر موجود ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے۔"
(المہند علی المفند مع حواشی مولانا محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی صاحب مدظلہ صفحہ ۴۴)

المہند علی المفند پر اس وقت کے بڑے بڑے اکابر علماء کرامؒ کے تصدیقات ہیں گویا یہ کتاب اہل السنت والجماعت کے عقائد و نظریات کا متفقہ دستاویز ہے۔اس کے بعد ضرورت تو نہیں لیکن پھر بھی تائید کے لئے ہم دارالعلوم دیوبند کا ایک مدلل فتویٰ بھی آپ کے خدمت میں پیش کرتے ہیں جو کہ دارالعلوم دیوبند کے ویب سائٹ سے لیا گیا ہے۔
سوال: دعا ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وسیلے سے مانگ سکتے ہیں ، میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ صحابہ کہاں نبی کے طفیل میں مانگتے تھے ، کوئی حدیث ہے؟ براہ کرم، رہنمائی فرمائیں۔
جواب نمبر: 67335
بسم اللہ الرحمن الرحیم
دعا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار کرنا جائز و درست ہے ، مثلاً دعا کرنے والا یوں کہے: اے اللہ ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقۂ طفیل میں میری دعا قبول فرما! صحابہ کرام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ

سے دعا کرنا ثابت ہے، چناں چہ ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا فرمائی اور ان کی دعا قبول ہوئی اور تمام اہل السنّۃ والجماعہ علماء کا اس کے جواز پر اجماع ہے اور جنہوں نے اختلاف کیا وہ ان کا تفرد ہے جو قابل قبول نہیں، البتہ دعا میں وسیلہ اختیار کرنے کو لازم و ضروری نہ سمجھا جائے، یعنی: آدمی یہ نہ سمجھے کہ وسیلہ اختیار کیے بغیر دعا قبول ہی نہیں ہوتی؛ کیوں کہ حق تعالی شانہ وسیلہ کے بغیر بھی دعا قبول فرماتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم (کی مختلف آیات) کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے، أخرج الترمذی فی سننه (أحادیث شتی من أبواب الدعوات باب: ۷) عن عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ أن رجلا ضریر البصر أتی النبی صلی اللہ علیه وسلم، فقال: ادع اللہ أن یعافینی، قال: إن شئت دعوت، وإن شئت صبرت فھو خیر لك، قال: فادعه، قال: فأمره أن یتوضأ فیحسن وضوءه ویدعو بهذا الدعاء، اللھم إنی أسألك وأتوجه إلیك بنبیك محمد نبی الرحمة إنی توجهت بك إلی ربی فی حاجتی هذه لتقضی لی، اللھم فشفعه فیّ اہ، وقال عبد الرحمن المبارکفوری فی تحفة الأحوذی (۱۰: ۳۴) تنبیه: قال الشیخ عبد الغنی فی إنجاح الحاجة: ذکر شیخنا عابد السندی فی رسالته: والحدیث یدل علی جواز التوسل والاستشفاع بذاته المکرم فی حیاته، وأما بعد مماته فقد روی الطبرانی فی الکبیر عن عثمان بن حنیف أن رجلا کان یختلف إلی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فی حاجة له فذکر الحدیث قال: وقد کتب شیخنا المذکور رسالة مستقلة فیها التفصیل من أراد فلیرجع إلیها انتهی، وقال الشوکانی فی تحفة الذاکرین: وفی الحدیث دلیل علی جواز التوسل برسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: إلی اللہ عز وجل مع اعتقاد أن الفاعل هو اللہ سبحانه وتعالی وأنه المعطی المانع ما شاء کان وما لم یشأ لم یکن انتهی اہ. وقال ابن الهمام فی فتح القدیر (کتاب الحج المقصد الثالث فی زیارة قبر النبی صلی اللہ علیه وسلم ۳: ۱۶۹): ثم یقول فی موقفه: السلام علیك یا رسول اللہ.... ویسأل اللہ تعالیٰ حاجته متوسلا إلی اللہ بحضرة نبیه علیه الصلاة والسلام اہ، وقال فی الاختیار لتعلیل المختار (۱: ۳۵۴) فیما یقال عند زیارة قبر النبی صلی اللہ علیه وسلم: ... جئناك من بلاد شاسعة ونواح بعیدة قاصدین ... الاستشفاع بك إلی ربنا ... ثم یقف عند رأسه کالأول ویقول ... وقد جئناك ... مستشفعین بنبیك إلیك اہ، ومثله فی مراقی الفلاح وحاشیة الطحطاوی علی الدر والفتاوی الهندیة وغیرها. وقال ابن عابدین فی رد المحتار فی باب الاستبراء من کتاب الحظر والإباحة (۹: ۵۶۹، ط: مکتبة زکریا دیوبند) نقلاً عن السبکی: یحسن التوسل بالنبی - صلی اللہ تعالی علیه وسلم - إلی ربه، ولم ینکره أحد من السلف ولا الخلف إلا ابن تیمیة فابتدع ما لم یقله عالم قبله اہ، وقال العلامة الآلوسی فی روح المعانی (۶: ۱۲۶، سورة المائدة، الآیة: ۳۵): وبعد هذا کله أنا لا أری بأساً فی التوسل إلی اللہ تعالی بجاہ النبی صلی اللہ علیه وسلم عند اللہ حیا ومیتاً اہ، وقال أیضاً: إن التوسل بجاہ غیر النبی صلی اللہ علیه وسلم لا بأس به أیضاً إن کان المتوسل بجاهه مما علم أن له جاهاً عند اللہ تعالی کالمقطوع بصلاحه وولایته اہ، وقال العلامة خلیل أحمد السهارنفوری فی المهند علی المفند فی الجواب عن السوٴال الثالث والرابع (ص ۳۷): عندنا وعند مشایخنا یجوز التوسل فی الدعوات بالأنبیاء والصالحین من الأولیاء والشهداء والصدیقین فی حیاتهم وبعد وفاتهم بأن یقول فی دعائه اللھم إنی أتوسل إلیك بفلان أن تجیب دعوتی وتقضی حاجتی إلی غیر ذلك کما صرح

بہ شیخنا ومولانا الشاہ محمد إسحاق الدهلوی ثم المهاجر المکی، ثم بینہ فی فتاواہ شیخنا ومولانا رشید أحمد الکنکوهی رحمۃ اللہ علیہما اہ، نیز فتاوی رشیدیہ (ص۱۴۲) اور باقیات فتاوی رشیدیہ (ص ۵۷، ۵۸) دیکھیں۔
واللہ تعالیٰ اعلم
دارالافتاء،
دارالعلوم دیوبند

قارئینِ کرام آپ نے دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ملاحظہ فرمایا جس میں دلائل کے ساتھ جمہور اہلسنت والجماعت کا موقف بیان کیا گیا ہے ۔لیکن مماتی حضرات کے وکیل اعظم نیلوی صاحب نے توسل بالذوات کے خلاف پورا رسالہ لکھا ہے جو مجموعہ رسائل نیلوی جلد نمبر ۲ میں پہلے نمبر پر موجود ہے۔ اس میں توسل بالذوات کو ناجائز، بدعت، حرام اور مکروہ لکھا ہے۔ رسالہ کے آخر میں غیر مشروع وسیلے کا عنوان قائم کر کے نیچے لکھا ہے!

" اللہ تعالیٰ کو خطاب کرکے یہ دعا کرے اللھم بحق فلان یعنی "اے فلاں بزرگ کے حق سے یہ میری حاجت پوری کر یا فلاں بزرگ کی حرمت سے، یا فلاں بزرگ کے طفیل سے، یا فلاں بزرگ کے وسیلے سے میری مصیبت دور کردے" یہ صورت بھی قرآن اور صحیح حدیث سے ثابت نہیں، نہ صحابہ کا اس پر تعامل تھا۔ بلکہ صحابہ کا اجماع ہے کہ وہ زندہ ہستیوں کے دعا کو وسیلہ بناتے رہے ہیں کسی شخصیت کو وسیلہ نہیں بنایا۔ پس توسل بالاموات کے جملہ اقسام غیر مشروع ہے۔"
(مجموعہ رسائل نیلوی جلد ۲،حقیقت وسیلہ اور حدیث لولاک کی تحقیق صفحہ ۳۹)

اسی طرح نداء حق جلد ۲ صفحہ ۲۷۷ پر لکھتے ہیں!

"توسل بذات المیت یا بدعاء المیت یا بذات النبی بعد الوفات کو یا حرام کہنا پڑے گا یا سکوت اختیار کرنا پڑے گا بلا کھٹک کھلے طور پر کسی شرعی قاعدہ کی رو سے اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔"

اسی کتاب نداء حق کے جلد نمبر ۲ صفحہ ۳۴۹ پر عنوان لگایا ہے کہ "مسئلہ وسیلہ بالذوات والاموات کا اصل ماخذ"۔ اس کے نیچے لکھتے ہیں

" دراصل یہ مسئلہ ہنود ونصاریٰ سے چلا آرہا ہے"

لاحول ولاقوۃ الاباللہ۔ نیلوی صاحب نے توسل بالذوات والاموات کو ہنود ونصاریٰ کا طریقہ بتایا حالانکہ توسل بالذوات اور توسل بالاموات دونوں کے جمہور اہلسنت والجماعت قائل ہیں اور اس پر ان کے ساتھ صحیح احادیث بھی ہیں مثلاً

حدیث نمبر 1:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ

(صحیح البخاری: ج1ص137 باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

ترجمہ: جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو عمر بن خطاب، عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے دعا کرتے اور فرماتے کہ اے اللہ! ہم تیرے پاس تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ لے کر آیا کرتے تھے تو تو ہمیں سیراب کرتا تھا، اب ہم لوگ اپنے نبی کے چچا (عباس رضی اللہ عنہ) کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ہمیں سیراب کر۔ راوی کا بیان ہے کہ لوگ سیراب کئے جاتے (یعنی بارش ہوجاتی)۔

حدیث نمبر 2:

عن عثمان بن حُنَيْف: أن رجلا ضرير البصر أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال ادع الله لي أن يعافيني. فقال إن شئت أخرت لك وهو خير. وإن شئت دعوت فقال ادعه. فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه. ويصلي ركعتين. ويدعو بهذا الدعاء (اللهم إني أسألك وأتوجه إليك بمحمد نبي الرحمة. يا محمد إني قد توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى. اللهم فشَفِّعْه فِيَّ)

(ترمذی: جلد ۲ ص ۱۹۷، سنن ابن ماجة: ص99 باب صلوٰة الحاجة، مسند احمد بن حنبل: ج13 ص315 رقم الحديث 17175، المعجم الصغير للطبراني: ص183 من اسمه طاهر، التاريخ الكبير للبخاري: ج6 ص56 رقم الترجمة 2191)

ترجمہ: حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نابیناآدمی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اللہ سے میرے لئے عافیت اور تندرستی کی دعا مانگیے۔ آپ نے فرمایا: اگر چاہو تو آخرت کے لئے دعا مانگوں، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور چاہو تو (ابھی) دعا کر دوں ؟ اس نے عرض کیا: دعا فرما دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کہا کہ اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعتیں پڑھ کر یہ دعا مانگو:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى اللَّهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ

[اے اللہ ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں رحمت والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے، اے محمد! میں نے آپ کے وسیلہ سے اپنے پروردگار کی طرف توجہ کی اپنی اس حاجت کے سلسلہ میں تاکہ یہ حاجت پوری ہو جائے، اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش میرے بارے میں قبول فرما لیجئے۔]

مزید تفصیل کے لئے تسکین الصدور تصنیف امام اہل سنت شیخ سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ ملاحظہ فرمائیں۔ (جاری)

محترم ابوسعد لئیق رحمانی حفظہ اللہ قسط: 2

محاسبہ دیوبندیت پر ایک نظر

مطالعہ بریلویت جلد اول کے شروع میں حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ نے خان صاحب بریلوی کی تکفیری مہم کا فکری جائزہ لیا ہے اور اس سلسلہ میں ہندوستان کے چند علمی و روحانی مراکز کا حوالہ دے کر ثابت کیا ہے کہ ان مراکز سے وابستہ بزرگان دین اور ان سے منسلک افراد و اشخاص حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید اور اکابرین دیوبند کو مسلمان مانتے ہیں جبکہ خان صاحب بریلوی اپنی تکفیری مہم میں اکیلے نظر آتے ہیں۔ اس سے بالکل انکار نہیں کہ بہت سی علمی شخصیات نے بعض مسائل میں شاہ شہید اور اکابرین دیوبند سے اختلاف کیا ہے، مگر وہ اس حد تک اور اتنا شدید نہیں کہ سواد اعظم اہلسنت کو دو گروہوں میں تقسیم کر دے مثال کے طور پر مولانا محمد عبداللہ ٹونکی مسئلہ خلف وعید میں علماء دیوبند سے اختلاف رکھتے تھے، موصوف نے شیخ الہند رحمہ اللہ کی تصنیف الجہد المقل کے جواب میں "عجالة الراكب في امتناع كذب الواجب" لکھی اور بہ تسلیم رضاخانی محمود قادری: آپ نے ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۰۶ھ میں اسی موضوع پر حضرت شیخ الہند سے لاہور میں مناظرہ بھی کیا۔ (تزکرہ علماء اہلسنت: ص ۱۶۰) مگر اس کے باوجود علماء دیوبند کو مسلمان مانتے تھے، اس حوالے سے علامہ خالد محمود رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ''مولانا محمد عبداللہ ٹونکی مسئلہ خلفِ وعید میں علمائے دیوبند کے ہم خیال نہ تھے، اس سلسلہ میں آپ کا حضرت شیخ الہند سے مناقشہ بھی ہوا۔ آپ نے بھی علمائے دیوبند کی تکفیر میں خان صاحب کی موافقت نہ کی۔ علماء دیوبند کی عبارات میں اگر کہیں واقعی کفری معنی ہوتے تو مولانا عبداللہ ٹونکی ضرور اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے اور ان عبارات کی نشاندہی کرتے ــ اختلاف کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ انسان دوسروں کو کافر کہہ کر ہی دم لے''۔
>
> (مطالعہ بریلویت: ج ۱، ص ۱۶۶)

جبکہ رضاخانیوں کے بقول سارے فساد کی جڑ یہی مسئلہ خلف وعید ہے اسی مسئلہ کی وجہ سے سواد اعظم اہلسنت والجماعت کے حصے بخرے ہوئے، چنانچہ رضاخانی اجمل سنبھلی صاحب شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کو مخاطب کرکے لکھتے ہیں:

> ''مصنف صاحب اگر تمہارے اکابر قائل امکان کذب اور قائل وقوعِ کذب الٰہی کو کافر اور زندیق جانتے تو تمہارا جدید مذہب ہی کیوں بنتا۔ اور ہم اہلسنت سے تمہارا اختلاف ہی کیا ہوتا''۔
>
> (رد شہاب ثاقب: ص ۲۹۲)

اس عبارت کا مطلب مظفری ٹیم کا ایک رضاخانی یوں بیان کرتا ہے:

''حضرت اجمل العلماء رحمۃ اللہ علیہ اہل سنّت و جماعت سے ہٹ کر ایک علیحدہ دھرم (دیوبندیت) کے بننے کی علت اور سبب بیان کر رہے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اکابرین دیوبند نے قائل امکان کذب ہو کر اور قائل وقوع کذب الٰہی کو کافر و زندیق نہ مان کر ایک علیحدہ جدید مذہب کی بنیاد ڈالی''۔

(کشف القناع: ج ۱، ص ۳۴۶)

سوال یہی ہے کہ یہ بات آخر خان صاحب اور ان کی ذرّیت ہی کے سمجھ میں آئی کہ مسئلہ امکان کذب کی وجہ سے علماء دیوبند کافر مرتد اور نئے مذہب کے بانی ہیں؟ ہندوستان بھر کے دیگر اہل علم جنہوں نے خاص اسی مسئلہ میں بحث و مباحثہ بھی کیا انہیں سمجھ کیوں نہ آئیں؟ کیا ساری دنیا جہان کا علم صرف خان صاحب کے پاس تھا؟ باقی علماء کیا گھاس کھا رہے تھے؟ (معاذاللہ) لامحالہ ماننا پڑتا ہے کہ خان صاحب کی جانب سے لگائے گئے کفر و گستاخی کے سب الزامات اصل میں ان حضرات (علماء دیوبند) کی انگریز دشمنی کا سیاسی جواب تھے۔

قارئین! یہاں مولوی حسن علی رضوی کی متعصبانہ ذہنیت بھی قابل دید ہے کہ موصوف نے مولانا محمد عبداللہ ٹونکی کے حوالے سے کوئی معقول جواب دینے کے بجائے بڑی ڈھٹائی سے لکھ مارا کہ:

''وہ ہمارے ہم مسلک یا غیر جانبدار نہ تھے مسجد فتح پوری دہلی کے دیوبندی وہابی مدرسہ میں مدرس اول تھے۔ وہ تکفیر سے اتفاق نہ کریں تو کچھ فرق نہیں پڑتا''۔

(محاسبہ: ج ۱، ص ۴۵۱)

حالانکہ رضاخانی موصوف کے ہم مسلک مولوی محمود قادری نے ''تزکرہ علماء اہلسنت'' صفحہ ۱۵۹ تا ۱۶۰ میں ''حضرت مولانا عبداللہ بہاری ٹونکی علیہ الرحمۃ''کی سرخی لگا کر آپ کا تذکرہ کیا اور اپنے علماء اہلسنت (بریلوی رضاخانی) میں شمار کیا ہے۔ اسی لئے ہم نے قسط اول میں لکھا تھا کہ

"علامہ خالد محمود کے ''مطالعہ'' نے جو دھماکہ کیا اس کے اثر سے سگان رضا کے اوسان خطا ہو گئے ہیں"

تو بعض چنڈو خانہ کو بڑی مرچی لگی کہ اجی تمہاری زبان بڑی سخت ہے۔ حالانکہ خود مولوی حسن علی رضوی نے اپنی اس کتاب میں جس بدبو دار خانگی تہذیب کا مظاہرہ کیا ابھی اس کے نمونے پیش کروں تو بے جا طوالت ہوگی۔ خود مولوی صاحب کو ہی اعتراف ہے کہ ان کی زبان سخت ہے حوالہ ملاحظہ ہو:

''قارئین ہمارے لفظوں کی سختی اور شدّت کو ضرور محسوس کریں گے''۔

(محاسبۂ دیوبندیت: ج ۱، ص ۳۹۳)

اور رضاخانی اصول یہ ہے کہ ایک فریق اگر سوقیانہ زبان استعمال کرے تو دوسرے فریق کو بھی یہ حق حاصل ہے، چنانچہ رضاخانی علامہ ارشدالقادری لکھتے ہیں کہ:

''تیسرا الزام بریلوی فتنہ کے مصنفین نے ''وقعات السنان'' نامی کتاب پر عائد کیا ہے کہ اس کی زبان سوقیانہ اور غیر مہذب ہے۔ لیکن یہ الزام عائد کرتے وقت وہ یہ بتانا بھول گئے ہیں کہ یہ کتاب جن کے جواب میں لکھی گئی ہے خود ان کی زبان کیسی تھی اور کس طرح کے مضامین سے انہیں دلچسپی تھی''۔
(زیر و زبر: ص ۲۶۵)

تو ہم نے اگر سوقیانہ زبان کے مقابلہ میں سخت زبان استعمال کر لی تو اس میں اعتراض کی کیا بات۔؟؟؟
باقی قارئین اگر اس کی بدبو دار خانگی تہذیب کے چند نمونے دیکھنا چاہتے ہوں تو استاد محترم ثانیِ چاند پوری حضرت علامہ و مولانا ساجد خان نقشبندی مدظلہ العالی کا مضمون ''محاسبۂ دیوبندیت پر ایک نظر'' جو 'مجلہ صفدر کا علامہ خالد محمود نمبر' میں شائع ہے دیکھ لیں۔
بہر حال ... علامہ خالد محمود رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''طوالت سے بچنے کے لئے ہم پانچ مراکز علمی، بیس مراکز طریقت، پانچ اہم علمی شخصیات، پندرہ اہم علمی اور روحانی شخصیات اور دس اہم ملی شخصیتوں کا ذکر کریں گے، مولانا احمد رضا کی انتہا پسندی پر ان حضرات کا رد عمل حقیقت کی منہ بولتی تصویر ہے''۔ (ص ۱۱۸)

ان علمی و روحانی مراکز و شخصیات میں سے بعض کو تو حسن علی رضوی نے دیوبندیوں کے کھاتے میں ڈال کر جان چھڑانے کی کوشش کی جبکہ بعض کے متعلق الٹے سیدھے جیسے بھی بن پڑے جوابات دینے کی کوشش کی، اور بعض کے متعلق یہ کہہ کر گلو خلاصی کرلی کہ ان کی وفات تک حسام الحرمین شائع نہیں ہوئی تھی اس لیے انہوں نے دیوبندیوں کے کفر کی تصدیق نہیں کی۔
موصوف نے جن بزرگوں کو ہمارے کھاتے میں ڈال کر جان چھڑانے کی کوشش کی اور جن کے متعلق الٹے سیدھے جوابات دیے اس کا تجزیہ ہم آگے آئندہ اقساط میں کریں گے، لیکن جن شخصیات کے متعلق یہ کہہ کر گلو خلاصی کی کہ ان کی وفات تک حسام الحرمین شائع نہیں ہوئی تھی ..... اس کے متعلق عرض ہے کہ یا تو رضاخانی موصوف علامہ خالد محمود صاحب کی بات سمجھ نہ سکے یا پھر جان بوجھ کر اصل بات کو گول کر وقت گزاری کی ہے۔ علامہ صاحب کا مدعا یہ تھا کہ اکابر علماء دیوبند کے زمانے میں خان صاحب بریلوی سے زیادہ قابل علمی و روحانی شخصیات ہندوستان بھر میں موجود تھیں اگر علماء دیوبند کی تحریروں میں واقعی کوئی بات کفر کی حد تک غلط ہوتی تو یہ حضرات کبھی خاموش نہ بیٹھتے۔ اگرچہ اس وقت تک حسام الحرمین شائع نہیں ہوئی تھی لیکن علماء دیوبند کی کتب تو شائع ہو چکی تھیں، یا کم از کم شاہ اسمٰعیل شہید کی کتب تو موجود ہی تھیں جس کے علماء دیوبند نا صرف مؤید بلکہ مدافع بھی تھے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ خان صاحب

کو تو ان کتب میں کفر (وہ بھی ایسا کفر کہ جو اس کو کفر نہ سمجھے وہ بھی کافر) نظر آگیا لیکن ان قابل علمی شخصیات کو نظر نہ آیا؟ (یہ الگ بات ہے کہ خان صاحب نے پوری شدت سے شاہ شہید پر کفر و گستاخی کے الزامات لگائے لیکن کافر قرار نہ دے کر خود اپنے ہی اصول و فتاویٰ کی زد میں آگئے۔)

فاضل بریلوی کے ایک عقیدت مند کا حسام الحرمین سے انحراف

پھر یہ بھی رضاخانیوں کا بدترین جھوٹ ہے کہ جن بزرگوں نے تکفیر کے باب میں خان صاحب بریلوی کی موافقت نہیں کی یا علماء دیوبند کی توثیق کی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان بزرگوں کے سامنے حسام الحرمین یا کفریہ عبارتیں پیش نہیں ہوئی ۔ جب بھی ہم اکابر علماء دیوبند کی توثیق پر کسی مسلم بین الفریقین بزرگ کا حوالہ پیش کرتے ہیں تو رضاخانی حضرات یہی جواب دیتے ہیں، بلکہ رضاخانی غزالی زماں احمد سعید کاظمی نے تو الحق المبین میں یہاں تک لکھ مارا کہ:

''ہمارے مخالفین میں سے آج تک کوئی شخص اس امر کا ثبوت پیش نہیں کرسکا کہ فلاں مسلم بین الفریقین بزرگ کے سامنے علماء دیوبند کی عبارات متنازعہ فیھا پیش کی گئیں اور انہوں نے ان کو صحیح قرار دیا یا تکفیر سے سکوت فرمایا''۔

(الحق المبین: ص ۵۶، دعوت اسلامی)

اگرچہ اہل حق کی طرف سے اس ڈھکوسلے کے کئی جوابات، دست و گریباں جلد چہارم، کشف الخذاع جلد اول وغیرہ میں دیے جا چکے ہیں ۔ مگر یہاں ہم ایک ایسی شخصیت کو پیش کر رہے ہیں جو خان صاحب بریلوی کے نہایت قریبی تھے اور خان صاحب سے اظہار نسبت کے لیے اپنے نام کے ساتھ ''الرضوی'' بھی لکھتے تھے، انہوں نے حسام الحرمین کو دیکھا مطالعہ کیا مگر علماء دیوبند کو مسلمان ہی مانا ۔ وہ شخصیت مفسر قرآن حضرت مولانا زاہدالحسینی صاحب مرحوم کے والد محترم حضرت مولانا قاضی غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں ۔
ان کا تعارف کراتے ہوئے رضاخانی مفتی محمد امین صاحب لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر حضرت مولانا غلام جیلانی نے دھوراجی کاٹھیاواڑ کے مدرسہ فخر عالم میں مدرس کے فرائض انجام دینے شروع کئے....... امام احمد رضا سے آپ کو گہری عقیدت تھی اور بارہا بریلی شریف تشریف لے گئے ۔ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقعہ پر جب ایک وفد علماء ندوۃ سے بات چیت کے لئے لکھنؤ بھیجا تو اس میں حضرت مولانا قاضی غلام جیلانی بھی شامل تھے ۔
اعلی حضرت سے اظہار نسبت کے لئے مولانا غلام جیلانی اپنے نام کے ساتھ ''الرضوی'' تحریر فرماتے تھے ۔
امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا قاضی غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان مراسلت سے

تعلقات کی گہرائی کا بخوبی اظہار ہوتا ہے''۔

(عقیدہ ختم النبوۃ: ج ۷، ص ۱۱ ۔ ۱۲)

خان صاحب بریلوی سے اس قدر قربت عقیدت محبت کے باوجود قاضی غلام جیلانی رحمہ اللہ نے علماء دیوبند کی تکفیر کے سلسلہ میں حسام الحرمین کی تائید نہیں فرمائی ۔ حالانکہ حسام الحرمین آپ کے پیش نظر تھی جیسا کہ مرزا ملعون قادیانی کے ایک شعر کا رد کرتے ہوئے قاضی صاحب اپنی کتاب ''تیغ غلام گیلانی'' میں رقم طراز ہیں کہ:

''اس بیت خبیث کے سبب سے فاضل بریلوی مجدد مائۃ حاضرہ مولانا اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب نے مرزا پر اپنی کتاب مستطاب ''حسام الحرمین'' میں حکم کفر و ارتداد فرمایا جس کی حظیت کی وجہ سے علمائے مکہ و مدینہ زادھما اللہ شرفا و کرامۃ وغیرہ کے نامی نامی بزرگان دین نے اس مرزا کے کفر پر مہریں کردیں جن حضرات کی تعداد چالیس (۴۰) تک ہے''۔ (تیغ غلام گیلانی: ص 27، مشمولہ عقیدہ ختم النبوۃ، ج 7، ص 41)

اس عبارت سے پتہ چلا کہ حسام الحرمین آپ کے سامنے تھی؛ مگر اس کے باوجود علماء دیوبند سے آپ کی عقیدت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ آپ نے اپنے فرزند عبدالحق کو دارالعلوم دیوبند پڑھنے کے لیے بھیجا تھا ۔ (عبدالحق صاحب مرحوم ۱۹۲۲ ۔ ۲۳ء میں دوران طالب علمی وہاں سے علیل ہوکر لوٹے اور وفات پا گئے ۔ ملاحظہ ہو، حیات مستعار: صفحہ ۶۳) واضح رہے کہ قاضی صاحب کی یہ کتاب جس میں حسام الحرمین کا ذکر کررہے ہیں ''تیغ غلام گیلانی'' ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی اور فرزند عبدالحق صاحب کا انتقال ۱۹۲۳ء میں ہوا، لہٰذا یہاں یہ بہانہ نہیں چل سکتا کہ فرزند کو تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند بھیجنے کا واقعہ حسام الحرمین دیکھنے سے پہلے کا ہوگا ۔
اس کے علاوہ دیوبندی علماء دین سے قاضی صاحب رحمہ اللہ کی عقیدت کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ موصوف نے اپنی کتاب "جامع التحریر فی حرمۃ الغناء والمزامیر" میں مولانا کرامت علی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند حضرت مولانا عبدالاول جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظ کس عقیدت و احترام کے ساتھ درج فرمائی ہے ۔ قاضی صاحب کے الفاظ ملاحظہ ہو:

''تقریظ جناب مستطاب عالم علم دین ہادی المسلمین منبع العلم والکرم حضرت مولانا عبدالاول صاحب جونپوری دام بالفیض المعنوی والصوری''۔ (ملاحظہ ہو، مجموعہ مواہیر: ص 4)

القابات پر غور فرمائیں ''عالم علم دین، ہادالمسلمین''۔
علاوہ ازیں قاضی صاحب مرحوم خان صاحب کے عقیدت مند ہونے کے باوجود ''دیوبندی شیخ طریقت'' سے بیعت ہوئے، مفتی محمد امین رضاخانی لکھتے ہیں:

''قاضی صاحب سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں سراج الاولیاء حضرت خواجہ محمد سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۳۳ھ سجادہ نشین خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف ڈیرہ اسمعیل خان کے مرید و خلیفہ تھے''۔

(عقیدہ ختم نبوت جلد۷،ص ۱۱)

حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کو مولوی حسن علی رضوی نے ''وہابی دیوبندی'' قرار دیا ہے، ملاحظہ ہوں۔ (محاسبۂ دیوبندیت: ج ا، ص ۴۰۶ ۔ ۴۰۷)

حضرت خواجہ سراج الدین رحمتہ اللہ علیہ امام المؤحدین حضرت مولانا حسین علی واں بچھراں کے بھی پیرومرشد ہیں، گویا قاضی غلام جیلانی رحمہ مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے پیر بھائی تھے ۔ اب یہاں مولوی حسن علی رضاخانی کا یہ اصول بھی پڑھ لیں، مولانا کرامت علی جونپوری کے متعلق موصوف لکھتے ہیں:

''سید احمد ساکن رائے بریلی کے مرید ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مولوی اسماعیل قتیل کے پیر بھائی تھے ۔ بھلا وہ اپنی ذرّیت پر کس طرح فتویٰ دیتے؟'' (محاسبۂ: ج ا، ص ۳۹۵)

لہٰذا قاضی صاحب بھی مولانا حسین علی واں بچھراں کے پیر بھائی تھے تو وہ ((اپنی ذریت)) علماء دیوبند پر کس طرح فتویٰ دیتے؟

واضح رہے کہ قاضی صاحب رحمہ اللہ گستاخانِ رسول کے لیے کوئی نرم رویہ بھی نہیں رکھتے تھے، بلکہ آپ نے ابن حزم کا رد ہی اس بنیاد پر کیا کہ وہ گستاخان رسول کی تکفیر نہیں کرتا ۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

''دوم یہ کہ ابن حزم اگر حیات عندالرفع کا قائل نہ بھی ہو تب بھی کوئی ضرر نہیں اس واسطے کہ ابن حزم فاسدالعقیدہ بدمذہب ہے .... وہ اسکا قائل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں کسی قسم کی بے ادبی کرنے والا کافر نہیں ہوتا ۔ حالانکہ (گستاخ رسول کے) کفر پر کل امت کا اجماع ہے سوائے ابن حزم کے۔ در مختار وغیرہ میں ہے کہ جو کوئی شخص حضرت کی شان میں بے ادبی کرنے والے کے کفر میں شک کرے وہ کافر ہے''۔ (جواب حقانی در رد بنگالی قادیانی: ص 84, مشمولہ عقیدہ ختم النبوۃ، ج 7، ص 282)

مگر اس کے باوجود قاضی صاحب نے علماء دیوبند کی تکفیر میں خان صاحب بریلوی کی تائید نہیں فرمائی اور علماء دیوبند کے ساتھ عقیدت و محبت بلکہ بیعت و خلافت کا معاملہ کیا ۔ تو اب اس صورت میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر واقعی علماء دیوبند کی تحریروں میں کوئی بات کفر کی حد تک غلط ہوتی تو یہ بزرگان دین کبھی خاموش نہ بیٹھتے، خان صاحب بریلوی کی انتہا پسندی پر ان بزرگان دین کا رد عمل حقیقت کی منہ بولتی تصویر ہے، کہ خان صاحب کی جانب سے علماء دیوبند پر لگائے گئے سب الزامات در اصل ان حضرات علماء دیوبند کی انگریز دشمنی کا سیاسی جواب تھے ۔

لو آپ اپنے دام میں صیّاد آگیا

دیوبندی کافر کافر کی رٹ لگانے والے زرا اپنے ایمان کی بھی خبر لیں۔ حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ حسن علی رضوی کے نزدیک ''وہابی دیوبندی'' ہیں اور قاضی غلام جیلانی رحمہ اللہ ان کے مرید و خلیفہ، اب ان دونوں حضرات کو مفتی امین صاحب نے ''رحمۃ اللہ علیہ'' لکھا ہے جبکہ رضاخانی شارح بخاری شریف الحق امجدی لکھتے ہیں کہ:

''کسی کو''رحمۃ اللہ علیہ'' لکھنے کامطلب یہ ہوتاہے کہ لکھنے والا اسے ولی نہیں تو کم از کم مسلمان جانتاہے''۔
(فتاوی شارح بخاری: ج ۳، ص ۵۵۴)

تو گویا مفتی امین صاحب کے نزدیک یہ دونوں ''دیوبندی بزرگ'' مسلمان تھے ۔ اب مفتی امین صاحب رضاخانی فتوے سے کیا قرار پائے؟ نتیجہ خود نکال لیں۔ کیونکہ

ہم اگر بات کریں گے تو شکایت ہوگی!

ایک نامعقول اعتراض

روحانی مراکز کے بزرگان طریقت کے حوالے سے حسن علی رضوی صاحب مراد متکلم کو سمجھے بغیر ایک نامعقول اعتراض کرتے ہوے لکھتے ہیں کہ:

''دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ فتویٰ خانقاہوں آستانہ جات کے سجادہ نشین حضرات ... سے لیا جاتا ہے یا مفتیان شریعت ... علماء کرام سے؟'' (محاسبۂ دیوبندیت: ج ۱، ص ۳۶۵)

اول تو یہ سوال رضاخانی موصوف کو ان نابالغ رضاخانی محققین سے کرنا چاہئے جنھوں نے ''حسام الحرمین اور مشائخ نقشبندیہ'' اور '' حسام الحرمین اور مشائخ چشتیہ'' وغیرہ عنوانات سے مضامین لکھ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ مشائخ طریقت نے بھی علماء دیوبند پر کفر کا فتوی دیا ہے ۔! دوسری بات یہ کہ موصوف نے علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کا مقدمہ سمجھا ہی نہیں، علامہ صاحب نے یہ کب کہا کہ خانقاہوں کے سجادہ نشین حضرات نے ہمارے خلاف فتوی نہیں دیا؟ علامہ صاحب کی مراد تو فقط یہ تھی کہ علماء دیوبند کی عبارات اردو میں تھیں اور ہندوستان کے بزرگان طریقت اردو اچھی طرح جانتے تھے اگر ان عبارات میں واقعی ایسا صریح کفر و گستاخی ہوتی جس کی کوئی تاویل نہ ہوسکتی ہو تو یہ بزرگان طریقت علماء دیوبند کی توثیق و مدح کیوں کرتے؟ ان سے تعلیم کیوں حاصل کرتے؟ اپنے مریدین و فرزندان کو دارالعلوم دیوبند پڑھنے کیلئے کیوں بھیجتے؟ اکابر علماء دیوبند کے شاگردوں کو داخل سلسلہ فرما کر اجازت و خلافت سے کیوں نوازتے؟

اچھا پھر رضاخانی موصوف ہی بتائیں کہ اگر بزرگان طریقت اور خانقاہوں کے سجادہ نشین حضرات فتویٰ نہیں دیتے ہیں،

تو کیا گستاخان رسول سے کسی قسم کا معاملہ روا رکھتے ہیں؟ کیا عملاً قولاً بھی اپنی مجلسوں میں گستاخوں کا رد نہیں کرتے؟ اگر نہیں کرتے ہوں تو وہ کسی رضاخانی خانقاہ ہی کے سجادہ نشین ہوتے ہونگے جو گستاخان رسول کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہوں گے، اہل حق بزرگوں کا یہ شیوہ نہیں ہے۔

ایک ضروری وضاحت

واضح رہے کہ علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کا موضوعِ گفتگو محض حسام الحرمین اور اشخاص اربعہ اکابر دیوبند تک محدود نہیں ہے بلکہ شاہ اسمٰعیل شہید کی شخصیت بھی اس میں شامل ہے، خود مولوی حسن علی رضوی بھی اعتراف کرتے ہوئے، لکھتے ہیں کہ:

> ''رد وہابیت و دیوبندیت و اسماعیلیت کے باب میں اندھا مصنف مطالعہ بریلویت تو محض سیدنا اعلیٰحضرت قدس سرہ کو مورد الزام ٹھہرا رہا ہے''۔

(محاسبۂ دیوبندیت: ج ا، ص ۲۲۰)

یہاں موصوف نے وہابیت و دیوبندیت کے ساتھ ''اسماعیلیت'' بھی لکھا۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری سمجھی گئی کہ بعض رضاخانیوں نے قسط اول پر یہ اعتراض کیا کہ علامہ خالد محمود کا موضوعِ گفتگو محض اکابر دیوبند اور حسام الحرمین تک محدود ہے، شاہ اسمٰعیل شہید اس میں داخل نہیں۔ رضاخانی معترضین زرا اپنے مولوی کے ان الفاظ ''رد وہابیت و دیوبندیت و اسماعیلیت'' کو بغور دیکھیں اور خود فیصلہ کریں کہ ان کا اعتراض کہاں تک درست ہے!

آمد برسر مطلب:

روحانی مراکز میں سب سے پہلے علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ نے خانقاہ مولانا کرامت علی جونپوری کا ذکر کیا ہے جس کے متعلق رضاخانی موصوف کی گپ اور اس پر ہمارا جوابی تبصرہ ماقبل (قسط اول) میں گزر چکا، اب دیگر خانقاہوں سے متعلق رضاخانی موصوف کے جوابات کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں ۔

خانقاہ حضرت شاہ غلام علی نقشبندی مجددی

اس خانقاہ کے بزرگوں کا ذکر کرتے ہوئے علامہ صاحب لکھتے ہیں:

''شاہ احمد سعید (مجددی) کے بھائی شاہ عبدالغنی مجددی حضرت مولانا قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد

گنگوہی، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے استاذ تھے ...... علماء دیوبند کا تعلق اس خاندان کے بزرگوں سے شاگردوں کا تھا۔ علماء دیوبند کے عقائد اور تحریرات میں انبیاء کرام اور اولیاء اللہ العظام کی منقصت کا کوئی شائبہ بھی ہوتا تو سب سے پہلے یہ حضرات ان کو ٹوکتے اور اِن پر اُن کا حق بھی تھا"۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۲ ۔ ۱۳۳)

اس کے جواب میں رضاخانی موصوف لکھتے ہیں کہ:

"اب پہلے تو مصنف مانچسٹروی یہ ثابت کرے کہ مرزا مظہر جان جاناں سے لے کر شاہ عبدالغنی کے عہد اور زمانہ میں تحذیرالناس، براہین قاطعہ اور حفظ الایمان وغیرہ چھپ گئی تھیں اور نانوتوی، گنگوہی، انبیٹھوی، تھانوی صاحبان پیدا ہوگئے تھے۔ پھر سینہ تان کر کہے کہ ان بزرگوں نے ان عبارتوں کو کفریہ کیوں نہیں کہا اور گستاخانہ و توہین آمیز کیوں نہیں ٹھرایا۔

(محاسبۂ دیوبندیت: جلد اول، ص ۳۹۶)

قارئین یہ کوئی نئی بات نہیں، فریق مخالف کی اصل بات کو ہضم کرلینا پھر ڈھیٹ پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے الٹا نامعقول سوال داغ کر فرار ہوجانا خان صاحب کی ذریّت کا خاصہ رہا ہے اگر رضاخانی موصوف کا عمل بھی یہی ہے تو اس میں تعجب کی بات نہیں کہ یہ ان کا موروثی حق ہے۔ رضاخانی موصوف کم از کم اپنے گھر کی ہی کتب پڑھ لیتے تو اتنی کچی بات نہ کرتے، مولوی محمود قادری رضاخانی لکھتے ہیں کہ:

"اکثر مشاہیر علماء آپ (شاہ عبدالغنی مجددی) کے شاگرد ہوئے صنادید فرقۂ دیوبندی مولانا قاسم نانوتوی و مولانا رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل صدر مدرس مظاہر علوم سہارن پور، آپ کے شاگردوں میں سے تھے"۔
(تزکرہ علماء اہلسنت: ص ۱۲۵)

رضاخانی موصوف علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کو کہتے ہیں:

"اور کچھ نہیں تو کم از کم تزکرہ علماء ہند کو ہی دیکھ لیا ہوتا" (صفحہ ۳۹۴)

حالانکہ جناب نے خود نہیں دیکھی ہوگی کیونکہ اسی تزکرہ علماء ہند میں شاہ عبدالغنی مجددی کے متعلق لکھا ہے کہ:
"ماہ محرم ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء میں انتقال فرمایا" (صفحہ ۳۱۰)
جبکہ تحذیرالناس از مولانا قاسم نانوتوی ۱۲۹۰ھ میں شائع ہوئی گویا شاہ عبدالغنی مجددی کی وفات سے ۶ (چھ) سال قبل تحذیرالناس منظر عام پر آچکی تھی۔
رضاخانی جی! اگر بینائی سلامت ہے تو ان حوالوں کو دیکھئے اور خود ہی فیصلہ کیجئے کہ شاہ عبدالغنی مجددی کے عہد میں

اکابر دیوبند پیدا ہوگئے تھے یا نہیں؟ اور یہ بھی بتایئے کہ یہ جو آپ نے عنوان قائم کیا ہے: ''نکل جاتی ہے سچی بات منہ سے مستی میں'' کس پر صادق آتا ہے؟
ممکن ہے جان چھڑانے کے لئے موصوف ڈھٹائی کا مظاہرہ کریں کہ ابی وہ شاہ عبدالغنی مجددی نے تحذیرالناس دیکھی نہیں تھی ... تو کان کھول کر سنئے کہ اول تو اس کا ثبوت آپ کے ذمہ ہوگا کہ آپ مدعی ٹھہریں گے (رضاخانی اصول سے) ثانیاً شاہ عبدالغنی مجددی شاہ ابو سعید مجددی کے فرزند اور شاہ صفی القدر کے پوتے ہیں، شاہ صفی القدر کی تجہیز و تکفین حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید نے کی، شاہ عبدالغنی مجددی واقعہ لکھتے ہیں کہ:

''ان (حضرت شاہ صفی القدر) کی وفات دوشنبہ ۲۹ شعبان ۱۲۳۶ ہجری کو بلدۂ لکھنو میں ہوئی ان کی تاریخ وفات ''فاز رضوان المودود'' ہے ۔ سید احمد صاحب اور مولوی اسمٰعیل شہید اور دوسرے عزیزوں نے خود ان کی تجہیز و تکفین کی ۔ راستے میں کسی نے چھپر (عریش) جلا رکھا تھا ان کی نعش شریف کو آگ کے اوپر سے لے کر گزر گئے کسی کو گزند نہ پہنچی''۔

(مقامات مظہری: ص ۶۰۰)

تو اگر بالفرض شاہ عبدالغنی مجددی نے تحذیرالناس نہ بھی دیکھی ہو تب بھی شاہ اسمٰعیل شہید کی کتب تو دیکھی ہی تھیں پھر بھی ان کو ''مولوی اور شہید'' لکھنا بتا رہا ہے کہ وہ شاہ شہید کو مسلمان مانتے تھے ۔ یہی ہمارا مدعا ہے ۔
نیز شاہ عبدالغنی کے بھتیجے شاہ ابوالخیر مجددی علماء دیوبند کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے اس سلسلہ میں بریلوی شیخ الاسلام مولانا زید فاروقی کی کتاب ''مقامات خیر'' دیکھ لیں ۔ اور خود مولانا زید فاروقی کا نظریہ علماء دیوبند کے متعلق کیا تھا رضاخانی شارح بخاری شریف الحق امجدی کے قلم سے ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں کہ:

''مولانا ابوالحسن زید صاحب سنی صحیح العقیدہ نہ تھے ۔ صلح کلی تھے، اکابر دیوبند میں مولوی قاسم نانوتوی کے شاگرد کے شاگرد تھے اور نانوتوی صاحب کو نہ صرف یہ کہ مسلمان جانتے تھے بلکہ بہت بڑا عالم اور ولیِ کامل مانتے تھے ۔ مقاماتِ خیر میں ان کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے ۔ اسی طرح مولوی رشید احمد گنگوہی کے بھی بہت مداح تھے ۔ گنگوہی نے میلاد شریف کو ناجائز و بدعت کہا ہے جو ان کے فتاویٰ میں موجود ہے ۔ ابوالحسن زید صاحب اس کا انکار کرتے تھے اور بے جا تاویلیں کرتے تھے ۔ میری خود ان سے بات چیت ہوئی ہے اور نوبت تلخی تک پہنچ چکی ہے ۔ شروع شروع میں وہ دیوبندی نواز تھے لیکن جب ان کا انجام یہ دیکھا کہ ان کے حلقہ کے کٹر دیوبندی ہوگئے تو بعد میں کچھ گول مول دیوبندیوں کے خلاف بھی بولنے اور لکھنے لگے ۔ ایسی صورت میں جب کہ وہ نانوتوی کی تحذیرالناس کی کفری عبارتوں اور گنگوہی کی براہین قاطعہ کی ص: ۵۱/ کی شیطانی کفری عبارت پر مطلع تھے، جس پر علمائے عرب و عجم، حل و حرم، ہند و سندھ نے ان دونوں کو کافر کہا اور وہ بھی اس تفصیل کے ساتھ کہ ان کفریات پر مطلع ہونے کے بعد جو

ان (کو کافر نہ کہے وہ) بھی کافر ۔ پھر بھی جناب ابوالحسن زید صاحب نانوتوی اور گنگوہی کو عالم، ولی مانتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوا بنیادی طور پر ان کا عقیدہ بھی وہی تھا جو نانوتوی و گنگوہی کا تھا"۔
(فتاوی شارح بخاری: ج ۳، ص ۵۴۲)

اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ مولانا زید صاحب دیوبندی نواز تھے ۔ مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی کو باوجود ان کی عبارات پر مطلع ہونے کے مسلمان، ولی کامل مانتے تھے اور اس سلسلہ میں رضاخانی شارح بخاری سے بحث و مباحثہ بھی کرلیا جس کے نتیجہ میں نوبت تلخی تک پہنچ گئی ۔ اب لگے ہاتھ رضاخانی مذہب کا ایک بناوٹی اصول بھی پڑھ لیں تو تصویر اور صاف ہوجائے گی، نصیرالدین سیالوی لکھتے ہیں کہ:

"مولانا دیدار علی شاہ محدث الوری کا نظریہ الرشید والے کی نسبت ان کی اولاد امجاد بہتر جانتی ہے"۔
(عبارات اکابر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ: ص 61)

مزید لکھتے ہیں کہ:

"غلام مہر علی صاحب مدظلہ مولانا غلام محمد گھوٹوی صاحب کے بالواسطہ شاگرد ہیں تو وہ ان کے مذہب کے بارے میں سرفراز سے بہتر جانتے ہیں"۔ (ایضا،صفحہ ۵۱)

اسی اصول پر سنئے کہ مولانا ابوالحسن زید صاحب شاہ ابوالخیر صاحب کے فرزند اور شاہ عبدالغنی مجددی کے پوتے ہیں تو وہ ان کے مسلک کے بارے میں حسن علی رضوی اور دیگر رضاخانیوں سے بہتر جانتے تھے اور اسی لئے وہ علماء دیوبند کو مسلمان، ولی کامل مانتے تھے کہ ان کے آباء و اجداد کا یہی نظریہ تھا۔ علامہ خالد محمود یہی بتانا چاہتے تھے ۔ سو علامہ صاحب کا موقف و مقدمہ اپنی جگہ مضبوطی سے قائم ہے۔

(جاری)